

رہے نام اللہ کا اور اُس کے محبوبیں کا۔ ان دونا بموں کے علاوہ اور ہر نام
فانی ہے اور ان اسماتے پاک نگے علاوہ کسی اور نام کی کوتی جیشیت نہیں۔ نام
پدلا، جیشیت بدی، پتہ نہیں میرا اصلی نام کیا تھا۔ اُس نام کے ساتھ کچھ اور تھا۔
جب ملا دوپنیازہ کہلایا تو کچھ اور ہو گیا۔ میرا باپ میری صغر سنی ہی میں مفقود اخیر
ہو گیا تھا۔ ذرا ہوش نبھالا تو یہ دیکھ کر بڑی کوئی نہ ہوتی کہ باپ نہیں ہے۔
مرچکا ہوتا تو صیر آ جاتا۔

سب سے زیادہ قلت اس بات کا تھا کہ کسی کا کچھ لے کر نہیں جھاگا تھا۔
اور نہ اس فرار میں کسی محبوب دل آراکی چاہت کار فرماتھی۔ پڑوسیوں سے
روایت ہے کہ میری ما درِ محترمہ کی زبان بے لگام کا کو شتہ تھا۔ ایک دن بانار
شے روغن زرد کا ہندڑ اسر پر کھے گھر کی جانب پلٹ رہا تھا کہ نزلے کی تحریک
ہو کر چینیک آئی۔ ہندڑ اسر سے راجعت کر کے سلوٹے زین آیا۔ اور پاش
پاش ہو گیا۔ لفڑیان مایہ کے تقدیری امر تھا، صیر کیا جا سکتا تھا، لیکن پدر بزرگوار
شمانتہ ما درِ محترمہ کی تابت نہیں رکھتا تھا، پھر پلٹ کر گھرنہ آیا۔
جب میں اس قابل ہوا کہ اس داستانِ روح فراسو مع سیاق و سیاق
گوش تحقیقت نیوش کی اذیت کا سامان بتا سکوں تو ما درِ محترمہ کے عقاب

کی پرداستہ بغیر میں نے بھی مفقود الخیری کی ہٹان لی، لیکن حاشا! کلاس میں ما در محترمہ کی طرف سے بیزاری کا شاہراہ نہیں تھا۔ پس تو پر بنر گوار کوتلاش کر کے یہ مطلاع دینا چاہتا تھا کہ چیخڑ خان بھی بیوی سے ڈرتا تھا لیکن کبھی اس طرح پڑھ نہیں کھانی تھی۔ میدان جگہ میں گشتول کے اپنے لگا کر بیوی کے آگے بیٹھا گلیا کرتا تھا، اور قول اُس جوانمرد کا یہ تھا کہ وہ مرد ہی نہیں جو اپنی زوجی سے ڈرتا نہ ہو۔

بعض دشمنوں نے اڑاکھی ہتھی کر پر بنر گوار بے مقصد غائب نہیں ہوا۔ اُس

نے دوسرا شادی کر لیے، لیکن اس عاجز کے تین یہ سراسرا زادم ہے۔ پہر بزرگوار ایک زوجی سے بجاگ کر دوسرا زوج کر لینے کی ہرگز جرأت نہیں رکھتا تھا اور ٹپو سیلوں کے بیان کے مطابق وہ تو اپنی زوجی سے ڈرتے ڈرتے دوسروں کی زوجیاں سے بھی ڈرنے لگا تھا۔ کوئی شادی تازہ ہونتے دیکھتا تو جیخ بار سر خاموش ہو جاتا اور پھر ہوش میں آتا تو یہی کلام زبان پر ہوتا۔ ”پر زدگاں اگر اسے مارنا ہی تھا تو کسی ریگستان میں مارا ہوتا، کانٹوں بھرے گلزار کے حوالے یکوں کر دیا؟“

دوسری شادی والی زوایت کو غیر مندرجہ سمجھتے ہوئے میں نے رخت سفر باندھا اور عازم اکبر آباد ہو، کمزمانے کے دستور کے مطابق زوجاں سے ڈر کر بھاگنے والے اور ہر ہی کاروچ کرتے ہیں اور شاہی نشکنیں بھرتی ہو جاتی ہیں۔ اک مرد بزرگ نے تو یہاں تک بتایا کہ مہمبوں کی فوج میں میوں کو پسالار بنا دیا چاہتا ہے۔

قصہ کفہاں میں کارروائی سرائے کی طرف چل پڑا کہ دہیں سے کسی لینے قابلے کا انتشار کر دیں جو اکبر آباد کی طرف جانے والا ہو۔ میری خوش نصیبی کے ایسی دنوں ملک التجار شاہ اللہ بارچی اکبر آباد کے لئے ایک کارروائی

ترتیب دے رہا تھا اور اسے اپنے لئے کارپ داؤں کی بھی تلاش تھی۔ شاہ اللہ بارچی مرد معمول ثابت ہوا۔ پہلا سوال یہی تھا کہ میراعظم سفر کب زر کے لئے ہے یا تلاش حق کے لئے...؟ میں نے عرض کیا، دلوں کے لئے نہیں ہے۔ میں تو اپنے بارپ کی تلاش میں نکلا ہوں اور میں نے پوری داشان دھردادی۔ اس مرد معمول نے پھر سوا لاکھ کا سوال کیا کہ اپنے پسرا جب وہ تیری صغریتی ہی میں نکل کھڑا ہوا تھا تو اسے پہچانے کا کیونکر...؟ کیا تھے اس کی شکل یاد ہے؟ میں نے کہا شکل تو یاد نہیں لیکن میری ما در محترمہ مرنے خاص پہچان بتائی ہے، اور پھر اس کے استفسار پر میں نے بتایا کہ پہچان یہ بتائی ہے کہ اگر کان ذرا بڑے ہوتے تو بالکل لدھا معلوم ہوتا۔

یہ کلام سن کر شاہ اللہ بارچی بے اختیار و نے لگا اور میرے ہاتھوں کے تو تر اٹھ گئے کہ خداوندی کیا ہوا۔ جب وہ جب کر رُوحچا تو بولا۔ اسے فرزند ای تو کوئی خاص پہچان نہ ہوتی جس کی زوجبستے بھی چاہے جاگر پوچھ لے، اس کے شوہر کی پہچان خدا نے چاہا تو تھی بتائے گی...۔ بخیر تو مذہر چل میرے ساتھ اور منتظر وہ کو مقدر کیا دکھاتا ہے؟

اس طرح میرزا آباد و داؤں کل طور پر دلن ہنسے اٹھ گیا۔ شاہ اللہ بارچی کے ساتھ اکھوں روپے کا سامان شجارت تھا اور سو عذر جوان المعر اور طرح دار نیتیں بھی مھیں۔ اس لئے بھفاظت اکبر آباد پنچا مظلومیت تھا۔ جوان المعر کیڑوں کی وجہ سے اُن نے بوڑھے آزمودہ کارپیا ہی بھرتی کئے تھے۔ پورے قائلے میں اسی بیع مقدار کے علاوہ اور کوئی جوان ابھی نہیں تھا۔ پسونو تجارتی کلک التجار طبی تشویش میں متلا ہو گیا تھا، ایک مرد با بروت ہونے کے سبب زبان تھے تو کچھ تکہ سکا لیکن قرآن سے حکوم ہرتا تھا

کر مجھے معلوم کے آئیں یا اس دیکھ کر اس کا نیچے کامساں نہیے اور ادپر کامساں ادپر ہی رہ جاتا ہے۔

آخر شام کو ٹپاڈ ہوا اور شنا اللہ پارچی نے مجھے اپنے خیے میں بلوا بھیجا تھا۔ بعد محبت و اخلاص بیش آیا۔ اپنے سامنے والے فایچے پر بیچے کو کہا اور طنکلی لگاتے تھے تیری شکل تکتا ہوا۔ پھر بولا

”اے فرزند! تو صرف خوش شکل ہی نہیں جامد زیب بھی ہے۔“ میں نے شرماک سُجھا کیا اور اس کی نسبت کے دلوں کی کھڑا کھٹ خیے میں گو نجھے لگی، تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تو زندگی کی اس منزل میں ہے کہ سچھ رات کو طہیک ہے فرنڈ نہ آتی ہوگی۔ بلے جتنی سے کروں بدلتا ہوگا۔“ میں نے کہا۔ یا خشت خدا کا شکر ہے کہ گھوڑے نجح کر سوتا ہوں، بلے جتنی کاتو دور در تک نشان نہیں۔ یہ میں کہ بے خد خرضند ہوا اور اُٹھ کر مجھے گلے لگاتا ہوا بولا۔ سبحان اللہ۔ ” تو اس بھرض نامبارک سے بچا ہوا ہے، مگر یہ توبتا، کیا جوان غور توں کو دیکھ کر تیرے دل میں گد گدیاں تھیں ہوتیں؟“

میں نے دلوں کا انوں پر باختر کر کہا۔ کبھی نہیں یا مشنگ انجھے تو متلی ہوتے لگتے ہے جو ان غور توں کو دیکھ کر، اللہ اگر بُرھی ہو تین۔“ میں اسی بات پر راتی کتے بعث خاموشی ہو گیا، لیکن شاید اس مرد و انس مند نے دمرسی بات پر توجہ دی ہی نہیں کھتی۔ لہذا اکیت بار بچر مجھے اغل گیر ہوتا ہوا بولا۔ ”جنت کی بشارت تیرے ہی جیسے سیکو کارزوں کے لئے ہے۔

میں اس کے توسط سے جنت کی بشارت لے کر اس خیے میں واپس آگئا جہان کی بُرھے سایہ بُرھے پی کر کھلانے رہے تھے دمرسے دن

پھر سفر شروع ہوا لیکن دوپر بھی نہیں گزرے تھے کہ سفر آفراحت کی نوبت آگئی۔ رجانے وہ بہرہن کدھر سے آئے تھے اور اس طرح ٹوٹ چڑھے کہ بُرھے سپاہیوں سے تکواریں تکانہ کھینچی گئیں۔ آن کی آن میں سب کھیت رہے اور مکان التحاوار میں پیدا و نیدھاالتیٹ گیا۔ میں نے بھی اس کی تقیید کی اور ملی ہرنے سے بچ گیا۔

”تیرنؤں نے ماں داسیاں پر قبضہ کر لیے کے بعد ہماری طرف توجہ دی۔ اُن کے سردار نے مجھے پوچھا کہ سوداگر کہاں ہے؟ میں نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا کہ وہ تو ناراگیا اور ہم دونوں بھٹیاں سے ہیں، تاکہ والوں کے لئے کھانے پکایا کرتے تھے۔ اُس نے کہا کہ اب ہمارے لئے پکاؤ گے۔“ شنا اللہ پارچی نے بے بی نئے میری طرف دیکھا تھا اور میں نے اسے اشارہ کیا تھا کہ وہ خاموش ہی رہے۔ لیڑوں کا سڑا رسول عدو کیزروں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہا تھا۔ آخر ہم سجوں کو اس طرف لے چلا، جدھر سے آیا تھا۔ اسے میں عصر کی نماز بکار کا ثابت ہو گیا اور ان لیڑوں نے باقاعدہ اذان دے کر باجماعت نماز ادا کی۔

شنا اللہ پارچی کبھی میری شکل دیکھتا اور بھی میں اُس نے فرائی چڑھ کر پتکتا تھا۔ نماز کے اختتام پر لیڑوں کے سردار نے کڑک کر ہم دونوں سے جایا (للیے) کیا کہ تم دونوں نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ میں نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ دیدہ دانستہ بھکی نہیں لگکی جا سکتی۔ کسی لیڑتے کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی۔

وہ حیرت سے میری صورت تکتا رہ پھر کیمیک میرے قدموں پر اس گر کر بولا۔ ”یا حضرت! میرا قصور منافت فرمائیئے میں تو اسی موقع پر قاتلوں

میں لوٹ مار کیا کرتا تھا اک بھی نہ کبھی کسی دلی کامل سے ضرور ملاقات ہوگی۔ اور وہ مجھے راہ راست پر لے آئے گا۔ سو اب میری طرف توجہ دیجئے تاکہ میرا آئیتہ دل دہر کی ناپاکیوں سے صاف ہو۔“

میری بھکی بندہ گئی۔ یہ احوال دیکھ کر اور قریب تھا کہ میں ہی جواب اس کے قدموں پر گر جاتا کہ شنا اللہ پارچی نے مجھے سے ٹھوکا دیا اور میری سجائے خود بولا۔ ”ابے پیڑتے ہے امیرے پیر و مرشد کے پاک قدموں سے اپنا ناپاک سرا اٹھا اور دُور ہو جا۔“

لیٹرے پر گویا نتیجی بھلی کوڈی بندھو اسیں ہو کر کبھی میری سکل دیکھتا تھا اور کبھی شنا اللہ پارچی کی۔ وہ پیر کن سال مجھا مختار ائس سال کے لونڈے کو پیر و مرشد کہہ رہا تھا۔ شنا اللہ پارچی نے آٹک کر کہا۔ ”عمروں کے اس تفاصیل کی حیرت سے نہ دیکھو۔“ یہ مادرزاد ولی میں۔ پیدا ہوتے ہی شہد ماں کا تھا۔“

لیٹرول کامسردار دھاڑیں مار کر رونے لگا اور پھر اُس کے پندرہ ساتھی بھی اس گھریے زاری میں آشیک ہوتے۔ آفر شنا اللہ پارچی ہی کی مداخلت سے یہ شور نشوز ختم ہوا اور شنا اللہ پارچی بنے ہاتھا کر کہا۔ ”خوبش نصیب ہوتا توگ کہ پیر و مرشد کے درست حق پرست پر تمہارا تباہ ہو جانا مقدر ہو چکا تھا۔ پیر و مرشد پہلے ہی سے جانتے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ لذ اخود بھی بھیڑیا سے بنے اور مجھے بھی بنایا لیکن سن لکھ اس مال تجارت کا مالک میں ہوں۔ میں کہ مالک التجار شنا اللہ پارچی کہلاتا ہوں۔“ وہ سب ستائے میں آگئے اور ان کا سردار گھنگیاں بولا۔ ”یا جھرت۔“

اپنے پیر و مرشد سے عرض کیجئے کہ ہمیں تعلیم کریں۔“ میں نے ابھشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اتنا ہی کہا کہ نیک ہو اور نیک چھیلا۔“

انہوں نے اپنے سر چھوٹ کا دیتے اور پھر خود کی دیر بعد سردار اپنا سرا اٹھا کر یوں گویا ہو کاک اے خدا تکے برگزیدہ نیندے۔ اب ہم اپنی نیکی کی ابتداء کا حکم سے کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب ابھی ملک کووارے ہیں۔

میرا ماہما ٹھنکا کر میں پہلے ہی ان کا شمار کو چکا تھا پورے سول عدد تھے۔ اور شنا اللہ پارچی کی طرح دارکنیزوں کی تعداد سول ہی بھی۔ میں نے شنا اللہ کی طرف دیکھا۔ اس کے درآئی چہرے پر بدلياں چھانے لگی ہیں۔ وہ آہستہ سے بولا۔ ”یہ ناممکن ہے۔“

میں نے کہا۔ ”مگر دن کٹوانے کی بات نہ کرو۔ پھر بھی میں کو شش کرتا ہوں۔“ کہ وہ اس خیال سے بازار جائیں۔“ میں نے تجابل عارفان سے کام لے کر ان سے کہا۔ ازدواج کے لئے زوجین کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں تو صرف زوج ہی زوج نظر آتے ہیں۔“ اس پرسووار نے کہا۔ ”یا ولی اللہ! احمدلوں میں ہما ہے رشتے موجود ہیں اگر ہماری نیکی میں رخصہ پڑا تو ہم اپنے نیک شنبے کی صفائح نہیں دے سکیں گے۔“

میں نے کہا۔ تو ابھا بیقرہ مال میں تم ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ لکھ کر اور اپنا اپنا سست لو۔ میرا مرغید ان نیزوں کو رٹا کر دے گا۔ اور فدا فدا نکاح بھی پڑھائے گا۔ شنا اللہ پارچی بڑے درد انگزانہ میں کھنکار کر رہ گیا۔“

بہر فروع ان نالائقوں نے یہ شرط منظور کریں۔ عجیب ہیں تقدیر کے کھل وہ ہو تیریں بھی مال تجارت میں شامل تھیں اور شنا اللہ پارچی نے ان کا ہزاروں اشرافوں کا تجذیب لکایا ہوا تھا لیکن وہ یوں ہاتھ سے مفت نکل گئیں۔ ان کے

مقدار میں تو نیک کار لیٹروں کی بیویاں بناتا ہے۔ بعد نکاح نیٹروں کے سردار نے کہا۔ جب ہم نے میک بننے کا رادہ کر لیا ہے تو جنگل میں کس کے ساتھ نیکی کریں گے ؟ ہم ہمیکیوں نے اکبر آباد ہی چل دیا! پس! ان بھوں نے بڑے ہاتھ پر بیعت کی اور ماں تجارت کی نگرانی میں چاکر دل کے کرتے ہوئے اکبر آباد کی جانب پہلے طرفے۔

لیٹروں کا سردار زیادہ تمیرے ہمراہ رہتا اور مجھے خاموش دیکھتا۔ مجھتے سے گزارش کرتا کہ یا شیخ کچھ صحت فرمائیے! سکی نہ کسی طرح اکبر آباد پہنچے اور وہ نیٹرے ہم سے جدا ہے۔ شنا اندر پارچی بظاہر خوش دکھائی دیتا تھا یعنی مجھے علم تھا کہ اُن کا ذلیل میری طرف سے صاف نہیں۔ ان طرح دارکنیزروں سے اس طرح دست برداز ہو جانا اُستہ۔ بے قدر گواں گزر رہتا ہوا اور نہ خانے کیوں وہ اس کا سبب مجھے سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اُن نے اپنی عکمت علی سے نصف اُس کا مال تجارت سمجھا لیا تھا بلکہ اُنہی لیٹروں کی نگرانی میں اُسے اکبر آباد لے آیا تھا۔

اُس ماں تجارت کو تادشام کے مانے بیش ہونا تھا۔ شنا اللہ پارچی کو کوئی مشورہ دینے میں خود کو بچنے کا مل سمجھنے لگا تھا۔ شنا اللہ پارچی کو کوئی مشورہ دینے بیٹھ کیا وہ اُسکے دم بھڑک اٹھا اور اس طرح گویا ہوا۔ اے ناہجہار! ایں دور ہو جا، بیری نظر وہ اسے تیرے لکھنے میں اُسکے میں اپنی نگزائیں اور اس شاید تر مجھے میرے ماں تجارت سے بھی محروم کرے گا۔ میری نوکری ختم، چلتا بھرتا نظر ہے۔

”میں نے کہا۔“ مجھ تو غفت خدا کرو، اگر مجھے بھٹاروں والی بات نہ سوچتی تو وہ تھیں اسی وقت ختم کر دیتے۔ شنا اللہ بولا کہ تو نے عنہ نہ کہ ادا

کیا تھا۔ مجھ پر تیرا کوئی احسان نہیں۔ مجھے اس کی غلط بیانی پر غصہ آگیا۔ اس وقت تو میں نے اُس کا ہمک چھا بھی نہیں تھا۔ وہی ستوکھا تارہ تھا، جو میری مادر مختصر نے باٹھ کر دیتے تھے۔ خستہ ضبط کو کے میں نے اس حقیقت کی طرف آم دلاتی، لیکن بے سود۔ اُس نے دھکے دے کر مجھ نکال باہر کیا۔ وہ لیٹرے اپنی ازوں حسمیت پہلے ہی جائیکھے تھے۔

اب میں تھا اور اکبر آباد کی تکلیف۔ کہیں سر جھپٹائے کی جگہ نہیں ہتھ دلن بھر اور ادھر بھلکتا ہپڑتا اور رات کسی مسجد میں اپس ہوتی۔ کوئی نہ رہا پس نہیں تھا کہ وہی در بیرون تھا اس نبتا۔ دو جاردن میں ساری پونچی ٹھاپی کر بیٹھ گیا۔ پونچی بھتی ہی کتنی۔ پہلے ہی ناقنے نے یہ حال کیا کہ سرزادی پر بزرگوار سے شایر نظر آئے تھا۔ یعنی یقول اور مختصر کر اگر کان دراڑے ہوتے تو کہا نظر آتا۔ دوسرے دن جب ہجوس کے مارے یہ حال تھا کہ جہاں پیٹھ گئے، بیٹھ گئے۔ اچاکہ لیٹروں کے سردار پر نظر پڑی۔ جو یاس ناظروں پسے ایک بسے بجا تے گھوڑے پر سوار بڑی شان سے چلا جا رہا تھا۔ ۱۰۰۰ نسل مجھے معاف کرے پیرے نے قلنے شرارت کی اور میں نے اُس کی راہ میں خائل ہو کر لکھا کہ اور یہ بخت ابھر فیصلے دنی کی الائشوں میں لعنت گیا۔ وہ بیکھٹ گھوڑے سے کوڈا اور میرے قدم سے کر بوللا۔ ”اے مرشد!“ یہ سب آپ کے عینے کی برکت ہے۔ اور یہر امن باہمیار نے اپنی داستان سناتی جس کے مطابق اس کے نکاح میں آنے والی کنیز دراہبلن ترکستان کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھی ہیں اور اکبر آباد پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک ناموں دربار اکبری میں پیش ہزاری کا منصب رکھتا ہے لہی پیر کیا تھا وہ دونوں اس کے پاس ہا پیچھے اور زور ہر کے ناموں نے اس لیٹرے

کو بھی پنج صدی کا عہدہ دلوادیا۔ میں اُس کے مقدار پیش عن کر جی رہا تھا کہ اُس نے کہا۔ آپ ہیاں اس حال میں کیسے؟ وہ ملک اتنا کہاں ہے؟ میں اُس پر اور وہ بیرت سے میری شکل تکھنے لگا۔ آخر میں نے شجیدگی انسیار کے پھر چھوٹ لولا، خدا مجھے معاف کرئے پیٹ بڑا خالم ہے۔ اے شخص کیا ملک التجاہ اور کہاں کامل التجاء میرا اور اُس کا ساتھ تو محض تیر سے بلتے ہوا تھا۔ تیر کام بن جانے کے بعد ہماری راہیں الگ الگ ہو گئیں۔ اُس نے کہا۔ یا حضرت اتو پھر میرے غریب خانے پر قدم رکھ فرمائے اور اپنی خدمت کا مرتع دیکھئے۔ امیں تو آپ کے دست تھی پرست پر بیعت کر ہی جبکا ہوں۔ میری زوجہ کو بھی اس سعادت سے خروم نہ رکھئے۔ وہ بھی آپ کی بڑی عحیدت مذہبے۔

میں چھپنہش ڈا۔ اور اسماں کی طرف دیکھ کر لولا۔ ”تو خوب ڈالت ہے کہ تیرا یہ گندہ بندہ کتنے پانی میں نہیں“ اور مجھے اس پنج صدی سفردار کی بات مانی ہی پڑے گی میونکہ ابھی اسے ہفت ہزاروں کے منصب پر پہنچتا ہے۔

میری بات سنن کردہ اچھل پڑا گایا کو گڑانے کے بیاضت کہ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ میں لگام پسکر کر پیدل اینی حولی ہٹ جاؤں گا۔ میں لے کہا ایسی حماقت کی بات نہ کر۔ حلقت کا اثر دنام میرے پیچے ہو گا۔ تو اپنی حیثیت دیکھ اور میری شکتہ خالی دیکھ۔ اگر حلقت میرے لازم نے آگاہ ہو گئی تو میں یادِ خدا کے لئے کہاں ہے وقت نکالوں گا؟“

اس نے میری اس بات سے اتفاق کیا اور گھوڑے کو خادم کے حوالے

کر کے میرا با تھ پچڑے ہوتے پیل ہی چلن پڑا تھا۔ اس پر بھی خلن خدا کی نظریں ہم پر پڑتی تھیں۔ وہ ریس این ریس اگر رہا تھا اور میرے جسم پر جھوڑے چھوڑ رہے تھے۔ میں نے اُڑتی پڑتی چڑیوں میگوئیاں بھی شیں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ شاید سرخاب نے اس چور کو رنگ اخنوں پکڑا ہے۔“ دل ہی دل میں گڑھتا۔ اس کے ساتھ چلارہ۔ خدا کی شان یہ لڑا سردار نھڑتا۔ اور میں اپنی توست بارو سے کما کی علاں کی کھانے والا چور کہلایا۔ غالباً پر تیاس کرنے والوں سے خدا ہی سمجھے۔ بیس اُسی وقت سچ تج دینی سے یہ اچھا ہو گیا۔ اچھا ہی رہتا۔ اگر میں اس لیٹرے کی زوجہ کو قریب سے نہ دیکھ لیتا۔ انہوں میں بھیان کی کوئی گئیں۔ چنان کا تجھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر خوشی کے سارے اچھل پڑی اور میرے قدم لئے۔

قطب الدین قلی نے کہ نام اُس لیٹرے کا ہی تھا۔ اپنی زوجہ کو میرے ملنے کی داستان سُنا تھی اور یہ خوشخبری دی کہ میر و مرشد نے صرف شادی ہی نہیں کرائی تھی بلکہ مجھے ہفت ہزاری کے منصب تک پہنچانا بھی تقدیر تھی اسی کے ذمے ڈالا ہے۔ وہ نیک بخت خوشی سے بزید اچھل پڑی اور میری وہ آدمی ہمگت کی کجا و بگت کے صدر ہی سے میرا دم اُنٹھنے لگا۔

مجھے غسل دلو ایا گیا۔ صاف سُھرا جوڑا پہنچنے کو ملا۔ غرضیکہ دن اچھے گزرنے لگے اور آس پاہن یہ خوشہور ہو گئی کہ میں جلالی نہیں بلکہ جمالی بزرگ ہوں کیونکہ نوگوں کو میری باتیں سن کر ہنسی آتی ہے۔ کچھ عجیب معاملہ تھا کہ جو کچھ میری زبان سے لکھتا، وہ ہو جاتا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شیطان الرحم میں بھی زیادہ گھری دلدل میں چنسانے کے لئے میرا مدد و معادن ہو گیا تھا اور اللہ کی طرف سے رتی دیباڑ ہو رہی تھی۔ ہر چند

چاہا تھا کہ میری زندگی تطبیق الدین فلی کی جوئی سبک حدود رہئے لکھن کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ تو کروں چاکروں نے بات آگے تک پڑھا دی۔
تو میں سے تھوڑتے ناصالی پر ایک دوسری جویں بھی جس میں ایک بوڑھا رہیں رہتا تھا۔ اس کی سب سے چھوٹی یعنی چھوٹی زوجہ پر کوئی بھی آتا تھا اور جن بھی جو ہوا اسی رات کو آتا تھا جس رات کو اس کی باری ہوتی تھی۔ یعنی رسم کو اس کے ساتھ رہنا ہوتا تھا۔ صد ہزار ملوں سے رجوع لایا جا پچھا لیکن کوئی بھی اس جن کو بھگا دیں میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک شب قطب الدین فلی تیرستے آگے با تھوڑے کھرا ہو گیا کہ میں بھی اس رسم کی روکر کو دیکھ لوں۔ میں نے کہا میاں! اب میں گندے تھے تھوڑے والا آدمی ہیں ہوں کہنے لگا کہ وہ بوڑھا رسمیں نادشہ کا مقرب ہے۔ الہیزے تو سڑھے اس کا حام بن گیا تو میں اپنے میاس سر کا احتشان لئے بغیر بھی آگے پڑھ سکوں گا۔

اب میں اُسے کیا بتا کر جن آتشی غلوت ہے اور آدمی خاکی شعلیں۔ تو نوں میں کوئی جھوٹ نہیں جس طرح آدمی کسی بکری پر عاشق تھیں ہو سکتا۔ اس طرح کوئی جن کسی عورت کی طرف تامل نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی میں نے سوچا، چلوں دیکھوں کن دل گردستے کی عورت ہے اور کس دھنگ سے یہ دھوپگ رچا یا۔
بعض لوڑھے آدمیوں کی بجائی، بیویوں پر اختناق الرحم کے دوار سے پڑتے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آسیب یا جن ہے اور یعنی چالاک عورتیں اہل خاندان کو مروعوب کرنے کے لئے عخفی یہ دھوپگ رچاتی ہیں۔ بہر حال مجھے اس رسم کی جویں سماں پڑا۔
وہاں عجیب سالقشہ نظر ریا۔ ایک سرپارہ کی بزرگیادہ سے زیادہ بیس

بائیں سال رہی ہو گی۔ ایک تخت پر بیٹھی جھوم رہی تھی۔ بال کھٹے ہوتے تھے۔ پیشانی پر پیشے کی خنی تھی لوندیں بھیں اور پھرہ تتمبا ہوا تھا۔ ایسی تصورت حورت آج تک اس تھا جس کی نظر سے نہیں گزری تھی اس لئے تھکی باندھ اُسے دیکھتا رہا۔
قطب الدین فلی نے آہستے پوچھا۔ کیا خیال ہے؟“ میں نے کہا۔
بے۔ ملدی نہیں اترے گا۔ وقت لگے گا۔“ رسم بھی قربت آکھڑا ہوا پہلے اس نے مجھے اوپر سے پیچے تک دیکھا اور پھر پیچے سے اوپر تک دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے طبیعت کی کامیابی کی کیا۔“ اگر عمر نامعتر میں تو تم نے درخواست ہی کیوں کی تھی؟“ وہ ستم گیا، بچھے میں نے اس کے دل کا چور پکڑ لیا ہو گڑ گئے۔
لگایا حضرت اس دسوے پر مجھے معاف فرماتے ہیں۔ آپ تو دلوں کا حال جان لیتے ہیں۔ میری نیت میں ہٹوٹ ہیں تھا۔

میں نے ناگواری سے منزہ پھر لیا۔ اتنے میں اس زن جیتنے نے اپنی لانسی لاتی ٹکیں اور پاٹھا میں کیا تھا آنکھیں بھیں مجھے اپنی رگوں میں خون کی بھگ کوئی نیلا تیار دوڑتا ہوا معلوم ہوئے لگا۔ فریض تھا کہ چکرا کر گروں اور پھر ہوش ہو جاویں اس پر پری ہونے دہن کھو لا اور یوں گو یا ہوئی۔“ اگر میرا چھتے ذلتانا بھی گران گزتا ہے تو اب میں صند میں روز آؤں گا۔“ میں نے شس کر کیا یہ ممنوع آ۔ سکر اپنا نام تو بتا دو۔“ اس پر وہ بولی۔“ نام تو ہرگز نہیں بتاؤں گی درت تو ٹرکر لے گے۔“ میں نے طبیعت کر کھانا توڑا۔ تیر صورت ہو گا۔ میں نے تو اڑا رہا انسانیت نام پوچھا تھا کہ تمہاری لوح مزار پر کھواؤں گا۔ تو اگر جن سے تو مجھ سے واتفاق ہو گا۔ شہنشاہ جنات بھی مجھے چھک کر سلام کرتا ہے۔
حورت کے سماں میں رغش پڑ گیا اور میں نے حاضرین سے کہا۔ تم سب

فرار یہاں سے چلے جاؤ دیں اسے ابھی دیکھ لیتا ہوں
بڑھتے رہیں نے کسی قدر بچپنا ہٹ طاہر کی عتیقہ طلب الدین قلی اس کا نام زادہ
پیغمبر کرامہ سے ذہن سے ہٹالا گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اُسے کم از کم اتنی دوسرے
لے جائے گا کہ ہماری آواز اس کے کام میں نہ پڑ سکیں۔

میں نے تخت کے قریب پیچے کر آہنہ سے کہا۔ ”اب سیدھی ہو جائیں
تیرے دکھ سے واقف ہوں۔“ اس نے سراہٹے بغیر لپچا۔ ”تم کون ہو؟“
میں نے کہا۔ ”بس ایک بندہ خدا، لیکن اچھی طرح جانتا ہوں کہ اُسے لپنے سے
دور رکھنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی ہے۔“

وہ روئے کیوں میں نے کہا کہ بت سک یہ کھڑا آگ چلے گا۔ تقدیر پر شاکر ہو کر رہتے
کے علاوہ اور کوئی چارہ کا رہ نہیں۔ بس وہ روئی رہی کچھ بولنی نہیں۔ میں نے کہا بات
زیادہ نہ بڑھا۔ فرنڈ کوئی نا سمجھ آجھا تو تیرا بھانڈا پھرٹ جاتے گا۔ میں نے تیرے
شہر پر یہی ظاہر کیا ہے کہ جوں ہی ہے وہ بڑی شکل سے گویا ہوتی۔ ”میں نہ ماری
بہت شکر گزار ہوں لیکن اس شخص کے قریب سے موت ہی ملی لگتی ہے۔ میں
نے لپچا۔ ”کیا چھٹکارا چاہتی ہے؟“ اس نے کہا۔ ”اہ میں یہی چاہتی ہوں۔ میں
نے اُس سے وعدہ کیا کہ تو تم بیرکروں گا۔“

میں نے دوسرا سے کرے میں جا کر اس سے شوہر کو آگ بلایا۔ اور اسے تم کو دو
نظر دن سے گھوڑتا ہوا بولا۔ ”کیا چونکی ضرورتی ہی؟“ اس نے کہا کہ اس کی خاذانی
روایات کے مطابق چارے سے کم روچائیں رکھنے والا کم رُستے والا سمجھا جاتا ہے میں
تے کہا۔ ”نی الحال تو وہ جلا گیا ہے لیکن تم کم از کم ایک ماہ تک اس سے دوسرے
رمانا درست پھٹاؤ گے۔ اُس کا قریب تمہاری موت کا باعث بن جاتے گا۔ ایسا نہ
جن آج تک میں نہ نہیں دیکھا۔ جاتے جاتے اُس کے وجہ کر زہر میں ڈیو

گیا ہے۔“
لوڑھے رہیں کے پھرے پر ہوا تیار اڑنے لگیں۔ میں تے مزید کہا۔ ”اُس نے
اتسے دور رہ کر قاتل کی بیانیں بھی تھیں تھے پیغام کے۔“ وہ بہت پریشان لظر آنے لگا۔
تحما میں نے لوہا گرم دیکھ کر آخری فرب لگائی، یعنی اسے حضور دینے پر آمادہ کرنے کا۔
میں نے کہا۔ ”تمہیں کیا کمی ہو جاتی ہے؟“ اسے طلاق دی کے کراور کی سے کرو۔ اس
منے کہا۔ ”اب یہی کمزیاڑ کے گاہ۔ اُسی سے کروں گا بھی پہلی زوجہ کے نوٹ ہو جانے
میک ملتوی کر لھا ہے۔ پہلی زوجہ دوچار ہی دلوں کی ہمہاں ہے۔“
بڑھاں یہ بات طے پا گئی عتیقی کا وہ جلد از جلد یو جھی یو یو سے چھٹکارا
پانے کی کوشش کرے گا۔ پھر اس نے موادر فیاض نذر گزاریں۔ میں نے ان پر
ماخور کر کر داپن کر دیا اور کہا۔ ”انہیں مخا جوں میں تقیم کراؤ۔“
اپنا تقدیب الدین تلی میرے اس انداز پھلن انھا تھا اور بڑے فخر نے بیری
طرف دیکھ کر بڑھے رہیں سے کہا تھا۔ ”میرے پیر و مرشد ہونے کے پہاڑ
کو بھی ٹھوکر مار دیں۔“

تقطیب الدین قلی اتنا بیدقوف نہیں تھا کہ شنا اللہ پارچی کی طرف ٹھیک ہو جاتا
 حتی الاسکان کو کوشش کرتا تھا کہ اس کا سامنا نہ ہوتے پانے۔ ایک دن مجھ سے
 کھن لگا۔ ”پیر و مرشد امودی کے لئے حکم ہے کہ ایذا پہنچنے سے قبل ہی اُسے ٹھٹکانے
 لگا دیا جاتے۔“ میں نے کہا کہ ”شنا تو یہی ہے حکم نہ ہوتا۔ جو عقل کا تلقاضا ہیں
 ہے۔ کیا تم نے جویلی میں کوئی سانپ دیکھ پایا ہے؟“ وہ کہی تقدیر نہ بند ب کے
 شاخوں بولا۔ ”یر بات نہیں ہے۔ پیر و مرشد امیر اشارہ شنا اللہ پارچی کی طرف ہے۔“

وہ ابھی تک اک آباد میں مقیم ہے اور دربار میں حاضری دیا رہتا ہے۔ مجھے بڑی شکوہی
ہوتی ہے، چھینا ٹپتا ہے۔” میں نے کہا ”کیوں فکر کرتے ہو۔ تمہارے لئے اب
کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ لیکن اس نے کہا ” میں ہر حال ایک لڑاکھا نے میرے
تاتا سے ہر جانے سے قانون تو مطہن نہیں ہو سکتا۔ میرے جراحت کی سزا عینی ہو جائے
گی، اگر اس نے نشانہ ہی کردی یہ ایمان آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ اعلانیہ لیز فل کو
آزاد کیا تھا اور وہ ہم لوگوں کے نکاح میں آئی تھیں، لیکن اب لوگوں سے کہا پھر
رو ہے کہ میری سولہ عدد یا ہر رُخ کینزروں کو لیٹرے پکڑ لے گئے ہیں۔“ میں نے
کہا ”اگر الیسی بات ہے تو تھر واقعی خطرے میں ہو۔“ مجھے یہ بات سن کر اس
نے سکوت کیا اور کچھ دیر بعد کہا ہوا ” اس نے ایک گناہ افراد سی۔“
میں اس کا ہم طلب بھجو گیا۔ شااللہ پارچی کو قتل کر کے قصہ ہی ختم کر دیا جاتا
تھا خوف خدا سے میری زبان نہ کھل سکی۔ میں خواہ جوواہ اس کی ہاں میں ہاں بلکہ
تھوڑا سا غداب اپنے سر بھی کیوں لیتا۔ دخور سے میرا چھرہ متارا، لیکن جب
میری زبان سے کچھ نکلا تو یہ چینی سے بولا ” یا حضرت! میں نے اجازت
طلب کی تھی۔“

میں نے کہا ” اگر تم اسے مُوذی سمجھتے ہو تو حکم پہلے ہی سے موجود ہے۔
میری اجازت مزوری نہیں۔“

میں نے بیاجت سے کہا ” پھر بھی میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا
اعلیٰ آپ کے تین نایپنڈنڈہ تونہ ہو گا؟“ میں کیا جواب دیا صرف اتنا
ہی کہا ” میں تمہیں مصطفیٰ دیکھا پسند نہیں کروں گا۔“

میں نے کہا ” یات اب بھی صاف نہیں ہوتی پیرو مرشد!“

میں نے کہا ” حضرت امیر تمیور گورکان نے اپنی تُرک میں بھری زما

ہے کہ کوئی کام کرنے سے پہلے یہ دیکھو کہ اس کے کرے میں کتنا خطرہ ہے اور نہ
کرے میں کتنا خطرہ ہے اگر کہ کرنے میں دخترے ہیں اور اس کے کرنے میں ایک
خطرہ ہو تو اسے مزور کر گزنا چاہتے یہ۔“
”دہ بے بی سے بولا“ بات میرے یہ نہیں بڑی۔
”میں نے کہا“ اگر شااللہ پارچی کو قتل کر دو تو قبضہ کے سزادار ہو گے جی
ہوا ایک خطرہ۔ اگر قتل نہیں کرنے تو وجہ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے اور سزا
بھی پاؤ گے۔ یہ ہوتے بیک وقت دخترے یہ۔
” اس نے ایک کر کر پوچھا ” تو میں اس سے قتل کر دوں! آپ اجازت دیتے
ہیں؟“

” میں نے جازہ کس شار و قطار میں ہوں؟“ میں نے کہا ” تم ایسا کر کے
حضرت امیر تمیور گورکان کے شورے پر عمل کرو گے۔“
” وہ خوش خوش چلا گیا اور میں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔“
” پروردگار! ایسے یہ حلے اور امیر تمیور گورکان یہ میں نے بہت چاہا تھا کہ
خون ناچ اپنی گردن پڑنے لے۔“
” ہر چند کہ شااللہ پارچی میرے لئے بھی فتنہ بن سکتا تھا لیکن ان کے
لئے میں اس کی سوت کا خواہاں ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ زیادہ پریشانی لاتھ ہوتی
تو اکبر کتاب سے کسی اور طرف فوج بخاتا۔ قطب الدین علیؑ بے جگہ ادمی تھا
جو کچھ سوچتا تو کچھ رہتا۔“

” تین دن کے اندر اطلاع مل گئی کہ شااللہ پارچی ایک خانثے کا سکار
بھوکر ہرگیا۔ کسی شرمنی کے اس پر اپنا گھوڑا پڑھا دیا تھا۔
” میں نے قطب الدین علیؑ سے کہا ” چلو اچھی ہوا۔ تم ایک گناہ منجع

”دول گا“ وہ سیم گیا اور اس طرح میری شکل تھے بگا جیسے میں نے کوئی بہت بُری بات کہر دی ہو۔ چھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سائنس سے کہ بولایا۔ آپ کی مریضی لیکن میں خود کو دربار میں بہت ہلکا پہکا ساموس کرتا ہوں جبکہ دربان سبب کی داد دو، تین تین رو جاتی ہیں اور میں پنج حصہ ہی ہو کر بھی صرف ایک ہی رکھتا ہوں۔ میں نے سوچا اگر اس قسم کا بھوت سوار ہوا ہے تو آسانی سے نہیں اترے گا۔ لہذا دوسرے را دیے سے عملہ کیا۔ میں نے کہا۔ ”اچھا تو چھر زندگی بھر پھر بھر دی۔ ہی پر قیام کئے رہنا۔“

چوہک کر مجھے از سر نو دیکھنا شروع کیا اور طریڑا کر لولا۔ ”میں نہیں سمجھا پیر فرشتہ۔“

میں نے کہا۔ ”ایک سے زیادہ یہ رے حق میں بہتر نہیں۔“ بخ نہاری مک پہنچنے سے قبل اس کا غیال دل میں نہ لانا۔ تم نہیں جانتے کہ دوسری بیوی شیرے لئے سعد ہو گی یا نہ۔ کیا تو نہیں سننا۔ حورت، گھوڑا اور زین۔

تینوں کے عملے میں مختار تنہا چاہتے۔“

اس کے چہرے پر ہوا میاں اٹھنے لگیں۔ میں نے لوہے کو پتتے دیکھا تو فوراً ہی دوسری بڑب لگاتی۔ اور چھروہ سعورت ایک جن کے زیر اثرہ چکی ہے۔ جن کو میں بنے ہی بھگایا تھا اور تمہارے توسط سے اس سبک پہنچا تھا۔ لہذا وہ شر کا کوئی پہلو نہیں چھوڑے گا۔“ چھر ایسا لگا جیسے فطب تملیک سبک ہوش میں آگیا ہو۔ سر لکار لولا۔“ اس کا تو مجھے دھیان ہی نہیں رہا تھا پیر فرشتہ۔

اگر آپ کی رہنمائی حاصل نہ ہو تو شاید میں غرق ہی ہو جاؤں۔ اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر فائز رکھے۔“

میں نے اٹیناں کا سالن لیا، دیلے حققت یہ ہی کچھے بھلا اس سے کیا

اور مقصدِ جی حاصل ہو گیا۔“ ہنس کر خوش ہو گیا۔ میں نے کہا۔ ”شاید وہ شہزادی قید کر دیا گیا ہے۔“ کہنے لگا۔“ اُسے بھی قید آپ و گل روشنگاری ہے۔“ میں نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا سوئی پر چڑھا دیا گیا؟“

”نهیں خود بخوبی میرگیا۔“ وہ طریقہ شادی سے بولا اور کچھ دیر خاموش رہ کر سمجھنے لگا۔ آپ کو وہ زدن حیثیت تو نیاد ہو گی جس پر جن آتا تھا۔“ میں اعتراض کیا۔

تہ ب اس نے بتایا کہ اُسے طلاق بھی ہو گئی، لیکن دوسری شادی اس تدریج کر دیا ہو گئی ہے کہ عقدت گزارنے کے بعد سیدھی میرے پاس چلی آئے گی۔ میں کہ میرے دیوتا کوچ کرنے اور میں نے بخواہی ہو کر پوچھا۔“ میرے پاس کیوں چلی آئے گی؟“ کہنے لگا۔ ”باقی زندگی آپ کی خدمت میں گزارنا چاہتی ہے۔“ میں نے کالوں پر اٹھ رکھے اور جلدی سے بولا۔ ”میں عمر تو ان کو مرید نہیں کرتا۔“ کیونکہ شاید مجھے بھی زدن مرید بننا پڑے کیونکہ والدین رکوار ہی کا خون تو گردش کر رہا تھا، میری رگوں میں یہی لیکن یہی سمجھتے اس سے بیان نہیں کیا۔ صرف سوچ کر رہ گیا۔

اس نے کہا۔ ”اچھا تو چھر دعا فرمائیے کہ وہ مجھ سے نکاح کر لینے پر آناءہ ہو جاتے۔“

یہ میں کر میں سنائے میں اٹھا۔ ابھی بھلی ہی شادی کو کتنے دن ہرئے تھے۔ میں نے کہا۔ ”ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ کچھ دن تو اور گزارنے دو۔“

تیرٹھ سے بولا۔“ اس طرح آپ کی خدمت میں حاضری کا اسے موقع مل جایا کمرے گا۔“

”فطب الدین قلی“ میں نے طیش میں آکر کہا۔“ اپنے لفڑ کا پیر سری کمان سے چلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہیں دوسری شادی نہیں کرنے

سر و کار پوستہ تھا کہ ایک کرتا ہے یا چار۔ میں تو صرف اپنی عاقبت کو درستہ تھا کہ وہ خطرے میں پڑے گے۔ دو لاک اپنا اپنا گھر ابھی سے رہیں گی اور سیری بھیں دا آئے گا کہ کس نے میں کیا کروں۔ قطب قلی عورت کے معتدی میں نالان آدمی تھا۔ کہی غلامی کتا ہوا نظر آتا اور کبھی اس طرح آنکھیں پھیر لیتا چھے ترودت کی رسم بھی دل میں رکھا ہوا۔ اس کی اسی عادت کی بنیا پر اس کی زوہر کی بار بھروسے پوچھ چکی تھی۔ اس سے کیا کہا کہ وہ بھی انسی اذیوں میں سے ہے جو حصولِ عقد کے تحت آنکھیں پھر لئے ہیں۔ بہرحال میں اُس کے سر پرے دوسری زوہر کا بھوت آئانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ اسی موقع پر سیری خدمت گزاری میں لگا ہوا تھا کہ سیری دعاوں کے اثر سے دربار میں کوئی نہایان یعنیت حاصل کرنے گا۔

بعین دار دامت گزری تھی حجہ پر۔ لکھا تھا دل اندر گوار کی تلاش میں اور پڑ گیا ان انجھیڑوں میں۔

اور اب کبھی کبھی یہ خیال بھی آتا ہے کہ کمیں میں نادانتیگی میں ایام تیسی تر نہیں گزار رہا۔ کیا ضروری ہے کہ پدر بزرگ از زندہ ہی ہو۔ بہرحال گھر تو اسی نیت سے چھوڑا تھا کہ اسے تلاش کر کے کچھ خوشی خدمت اس کی بھی کر سکوں کر عاقبت سنو جاتے۔ اب آگے جو اللہ کو مغلوب ہو۔ دن گزرے کئے قطب قلی اور اس کی زوہر دن رات سیری خدمت گزاری میں لگے رہے تھے کہ اپاہٹ ایک دن نسترن بازو آہی گئی۔ فرمی نسترن بازو جوانیے لوٹے شورہ سے طلاق لے کر اُسی کے مصادف پر عدت کے دن گزار رہی تھی عدت پوری ہوتے ہی اس نے ادھر کاروخت کیا تھا۔ مجھے اپنے پیروں تسلی زین ہلتی خوس ہرتی۔ منجم حقیقی نے اُسے ایا ہی جہاں سوزھن عطا کیا تھا کہنے گی۔ اب کہاں جاؤں، میرا تو اس دُنیا میں کوئی بھی نہیں۔

میں نے کہا۔ ”تو عقد نہیں کیوں ہیں کر لیتی۔“ کہنے لگی۔ ”دیسا سمجھی ایجاد ہو گیا ہے۔ بقیہ زندگی یاد خدا میں گزار دینا چاہتی ہوں۔ اگر اس خوبی میں سرچھپلے کو جھوٹ جاتے تو۔“

میں نے قطب قلی کی زوجہ کی طرف دیکھا۔ اس نے ناک سکوڑ گمراکار کے لئے سر برلا دیا۔ میں نے نسترن بالفے کہا۔ اگر میں خود میاں مہمان نہ ہو تو مزدور تیری درخواست پر عورت کرتا لیکن چونکہ۔ . . .“

قطب قلی کی زوہر نے مجھے اپنی بات پوری نہ کرنے دی اور نسترن بازو سے بولی۔ ”میرا میاں اچھا ادمی نہیں ہے۔ جایہر قاہر، بہت دھرم ہے اور کیا کیا بناوں۔ . . . لیں کجھ جاؤ۔ تم ہیاں عخطوط نہ رکھو گی۔“ نسترن بالوقت سے بولی۔ ”جس کا محافظ اللہ ہواں کا لوئی چھ ہیں بکاٹا سکتا۔“ پھر مری طرف دیکھ لگی۔ میں جلا کیا کہا تیکن اس کے دیکھنے کا نہ انداز ایسا تھا جیسے کسی قسم کی دھمکی دے رہی تھی اچاہک مجھے یاد آگیا کہ اس پر حیمتا بھی جن کا سایہ نہیں خدا۔

میں رہی تھی، لیکن میں نے اُسے جن ہی کے حوالے سے طلاق دلوائی تھی، وہ اسی انداز سے مجھے دھکھتی رہی۔ میں نے قطب قلی کی زوہر کو اشارة کیا کہ وہ وہاں سے چل جائے۔ وہ تو سہرے اسکامات کی پابندی بے چوں و جبرا کرتی رہی مجھی چیز چاہیں چل لیں گی اور نسترن بازو مجھے گھوڑن ہوئی آہتہ سے بولی۔ ”جہاں ا پھوٹ دوں گی۔“

میں نے اسے اس طرح دیکھنے کی کوشش کی کر دہر عوب ہو جاتے، لیکن اس پر کری اشیز ہوا۔ اپاہٹ جملہ بار بار دوسراتی رہی پھر میں ایک دم طش میں آکر بولا۔ یہ کیا بھروسے ہے۔ وہ ہس پری اور آنکھیں پھکا کر بولی۔ شتم دل کامل ہوا درستہ بھر کر کی جن آتھا ہے۔ دل کامل ہونے تو بھوٹ دوں کر

بیرون سالقوہ شوسر کو تھیں نہ دلاتے کہ مجھ پر جن کا سایہ ہے اور اسے مجھ کو طلاق دے دینے پر ہرگز نہ اکتائے اگر میں لوگوں کو بتا دوں تو کیا حشر ہوتا رہا ہے۔
 میرے سارے جنم سے پیشہ جھوٹ پڑا اور میں حضرت امیر تمور گورکان کی زندگی میں کوئی راستہ مکمل خلاصی کا ملائش کرنے لگا لیکن ایسے میں کیا یاد آتا، سارا لکھا پڑھا جیسے ذہن سے نکل جھاگا ہو۔ بالآخر کھو گھلی آفازیں پوچھا کہ اصرار وہ چاہتی کیا ہے۔ بڑی اُداسی سے بولی میں اپنے قدموں میں پڑی ہے دو۔ میں نے کہا۔ جھلایکس طرح مکن ہے۔۔۔ و قطب قلی کی روایت، تم جسی پہنچ سے آناتا دچنے سے ماہتاب عورت کو کس طرح اپنی عیلی میں رکھنے کے لیے جب کہ قطب تلی خان دل بھینب قسم کا آدمی ہے۔ جھبٹ تسلی بولی۔ تم سے تو درستہ نہ اے۔ تم ولیا ہی کوئی جھوٹ تراشو جیسا میرے سلے میں پہنچا ادا میرے میاں کو طلاق ہی دیتے بن بڑی۔ سرچک آگیا۔ تجھ کیا ہے بزرگوں نے ایک جھوٹ کو سنبھالنے کے لئے سینکڑوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔
 اس لئے ذرا سابھی جھوٹ نہ بولو۔ میں لے دل ہی دل میں کان پڑھ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ تیر نکل چکا تھا اکان سے اور کماں سے نکلے ہوئے تیر کو امیر تمور گورکان بھی واپس نہ لاسکھتھ، لہذا ان کی نزک کو اپ کھکانا ہی فضول تھا۔ تن پر تقدیر ہو کر ٹھنڈی سائنس لی اور لو لا۔ جو کچھ تو کہہ رہی ہے وہی ہو گا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ اس مرحلے سے ضرور گز نیا ٹیکے گا۔ بڑی تجیدگی سے سر بلکر لوں۔ تم ایسے ہی روشن صیر ہو یا پر فرشد۔ اُس کا یہ مضمون اتنا ناگوار گز کر کر دن ہی مرود دینے کو دل چاہئے لگا۔ صبر پر تراکرنا پڑا تھا۔ پھر تقدیر کی اس ستم ظرفی پر نہیں اتنے لگی مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح میرے ہی گلے پڑے گی، ورنہ ہرگز اس کی مکمل خلاصی اس

بڑھ رہے رہیں سے نہ کرتا۔
 قطب قلی، دربار سے والیں آیا تو سید حامیرے ہی بار پلا آیا۔ شادی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ آئی ہوئی ہے کہنے لگا۔ ”یا حضرت! اگر وہ آپ کی اتنی ہی گروندی ہے تو پڑی برنسے دریختے قدموں میں نہ ہی اصرار ہے۔“ میں نے کہا۔ ”آب تو میں بھی جھوڑ ہو گیا ہوں! اس بارے میں۔“ وہ حیرت سے میرا منہ نکھنے لگا۔
 میں نے کہا۔ ”بھالت قیلو مجھے اپنے پیر و مرشد کا دیدار ہوا۔ وہ بہت بیش میں تھے۔ مجھ سے فرمایا۔ کیا تو اتنا ہی ناہنجار ہے کہ ایک غیرت منذکو ہمارے سلسلے میں داخل ہرنے سے روک دے۔ اس حورت کو مرید کر اور اپنے بارے ہی پڑی رہنے دے۔“ وہ بھر نوشن ہو کر لو لا۔ میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تو پہلے ہی حق میں بھی فرمادی۔
 اس کی اس ڈھنڈی پر سخت طبع آیا لیکن ظاہر ہے ہونے دیا۔ صرف اتنا ہی کہہ کر رہ گیا۔ ”دیکھتا ہے، کیا الحمد ہے تیری تقدیر میں۔“ اس نے بڑے غوص سے کہا۔ ”اجھا ہی کھا ہو گا۔ تھی تو آپ کے پیر و مرشد کو خود تکلیف کرنی پڑی۔“ اپنے آپ نے تو سرے ہی سے میری تجویز رد فرمادی ہی۔ دل چاہا کہ قطب قلی۔
 ہونا مشکوک ہو جا گئے کا اور خلقت خدا مجھ سے دور جھاگئے لگے گی، جوں اٹھنے پہنچا۔
 پھر ہوا یہ کہ نترن باول دن رات میرے سر پر سوار رہنے لگی۔ یا یہ ایسے گروہ بنتی کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ میں سوچتا کہ اگر کچھ دن اور اس کا ساتھ رکاو

میں برع مجھ ولی کامل نہیں جاؤں۔ کہتی ہے کہ میں نہ کس تقدیر لے وقوفی کے ساتھ
دھندا اشروع کیا ہے۔ تھوڑا سا دینگ ہر جاؤں تو در تاریک میری رسانی ہو
سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں! مجھے معاف رکھ جان پڑا ہوں وہیں چین سے پڑا
رہے ہے دے۔ ایک دن بولی "تمہاری سماں کو لقصان پنج جانے کا درست میں تو یہ
کہتی ہوں کہ تم درنوں رشتہ منکت تھے میں کیوں نہ منسک ہو جائیں" میں نے کہا
میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پڑے پیار سے بولی "کیا میں اپھی نہیں
لگتی؟" میں نے کہا "بے خدنٹناک لگتی ہوں۔ کیا تم نے میرے بھی کان نہیں
کاٹ لئے؟ ہنس کر بولی "تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ اتنی طریقہ مات کہہ رہے ہو"
کسی آفاقی حادثے کے عحت ولی میں گئے ہو گئے درست میں اس کی صلاحت
نہیں پایی جاتی۔ کوئی بس غلط نہیں مبتلا ہو گیا ہو گا اور تم نے اس کی وہ غلطی
رفع نہ کی ہو گی اس طرح بن بیٹھے ہو گئے پیر مرشد۔ مجھ سے کوئی پوچھے
تو بتاؤں نکتے گام طہر ہو۔"

امہلت زور کا غصہ آیا لیکن خون کے گھونٹ نی کر رہ گیا۔ کتنی دلنوں سے
پتہ نہیں کیا ہوا تھا اکیرے پاس آنے والے حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہو
گئی تھی۔ معلوم نہیں کہاں کہاں سے متواترات اپنے مسائل کے کہ پنج رہیں
وہ سمجھیں نہ آتی۔ کیونکہ میں حتی الامکان کو ششن کرتا کہ باہر کا کوئی آنے ہی نہیں
اور میں سکون کے ساتھ اس خوبی میں پڑا رہوں۔

ادھر قطب قلی کی زدہ کا یہ حال تھا کہ زینہ تو زلفزوں سے دیکھنے لگی تھی۔ ایک
دن تہامی تو میں نے اسے اپنے پاس بلالیا۔ نترن بالو بھی اس دفت موجود
نہیں تھی۔ میں نے کہا "اے نیک بخت از مجھے اس طرح کیوں دیکھنے لگی ہے

اس عورت کو میں نے اپنے پیر مرشد کے حکم سے یہاں رہنے کی اجازت دی ہے۔
قطب تلی اُسے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے اسے جتا دیا ہے اور نترن
بالو تو خود ہی اس سے دود دو رہتی ہے۔"

وہ پہلے تو کچھ نہ بولی۔ سر جھکا کتے بھیجی رہی لیکن تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی
سائنس کے کر بولی۔ یہ بات نہیں ہے پیر مرشد! ایسا میرے مقدمہ میں حکم بھی کہا
ہو گا ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی نہیں ٹالا سکتا۔ رنج اس بات کا ہے کہ اب تم لوگ
جھوٹتے بن رہے ہیں۔ ہم نے تو سارے میں کہہ رکھا تھا کہ مارے پیر مرشد
 حاجت رہا تو لوگ تھے ہیں لیکن کسی سے کچھ لیتے نہیں اگر کسی نے کچھ دینے کی کوشش
کی تو دوبارہ اس کی نسلک نہیں دیکھتے۔" میں نے کہا۔ "ٹھنڈ کہہ رہی ہے۔ میں
ان لوگوں سے ایسا ہی برشاڑ کرتا ہوں جو مجھے دینا ہے ذہن سے دل رکھنے کی
تعجب دیتے ہیں۔" تڑ سے بولی۔ "بہت پہلے کی بات ہے۔ اب تو آپ کی پڑھی
بخاری ہو رہی ہے۔" میں جیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

اس نے کہا "میں غلط نہیں کہہ رہی پیر مرشد! وہ نترن بالو ہر حاجت من
سے کچھ نہ کچھ ضرور وصول کر لیتی ہے بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ بھیجا ہاڑ اسی کی
کوششوں سے رہنے لگی ہے۔"

یہ کریمے ہاتھوں کے تو تے اڑ گئے۔ کافی پر بیکن نہیں آرہا تھا تصویر
بھی نہیں کر سکتا تھا نترن بالو اور میری لا علمی میں یہ سچ کہ کہ رہی ہے۔ میں
نے ٹڑی مشکل سے تطبق فی خان کی زود برج کو لیکن دلایا کہ میں اس بات سے لام
ہوں کہ نترن بالو اور حاجت مندوں کے درمیان کیا معاملت ہوتی ہے۔ اس
نے کہا "مجھے بھی بیکن نہیں ہاں لیکن وہ اس سے دل برداشتہ ہیں۔ بار بار کہتے
ہیں کہ پیر مرشد نے یہ کیا شروع کر دیا۔"

میں نے کہا۔ ”بے فکر ہو میں نظر ان بالوں سے کچھ لوں گا۔“ بڑی شکل میں
ڈال دیا تھا اس پالاک عورت نے۔ نوش قمت خادہ بوڑھا ریس جو اس سے
چھکا رکھا پا گیا ورنہ خدا جانے اس کی کیا درگت بنائی۔ اربے اس وقت کیسی
غلوم نظر آتی تھی۔ کیسا گردگرائی تھی کہ مجھے اس کی خاطر بھجوٹ بولنا
پڑا تھا اور اب اسی بھجوٹ کا ڈرا فے کریں پرسار ہو گئی تھی۔
میں کیا کروں خدا افندیا۔۔۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ دن کے وقت کی
کتنی گھنٹے بھان غائب رہتی ہے کم بخت بستی بستی میری نشیر کرنی پڑتی ہو
گی۔ اسی لئے تو اجنبی حاجت مندوں کا تاثر بندھ گیا تھا۔ ہر ایک سے
کچھ نکچھ مصوں کرتی ہو گی۔ پتا نہیں کتنا بُورچکی ہو گی اور میرے فرشتوں کو جی
اس کا علم ہیں، اب کچھ نکچھ کرنا چاہیے درست کہی کومنہ دکھانے کے تاب نہیں
رہوں گا۔

دوسرا کے کھانے کے وقت کیسی سے گھوٹ چکر دا پس آئی تو میں
نے اُسے اپنے پاش بلایا اور قدر آلو نظروں سے ٹھوڑے لگا۔ لیکن وہ
ہنس کر بولی۔ ”بس کرو، بالکل سوانگ بھرنے والے بہروپیے لگتے ہو۔
تھیں تو خستہ کرنا بھی نہیں آتا۔“ ابی زبان کو رکام
میں نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ ”ابی زبان کو رکام
مے اور زندہ ہو کر لو۔“ آخر ہوا کیا۔ کیون انگارے چوار ہے ہو۔“ میں
نے کہا۔ ”یہ تو حاجت مندوں سے نہیں کیوں ایسے لگتے ہیں۔“ ہنس
گر بولی۔ ”بس اتنی سی بات۔ سخواہ، ہر بے وقوف پر اللہ پاک نے ایک
عقلیند کو سلطنت دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دینا کبھی کی ریزدرب ہو گئی۔“

ہوتی۔ موتعہ سے نادہ ز اٹھا لے والا احمد ہوتا ہے اسی لئے تو کہنی ہواں کہ تم
کسی خادشے کے تحت یعنیت غاصل کر میٹھے ہو تو تم میں اس کی صلاحیت
ہرگز نہیں ہے۔ پس اللہ پاک نے تم پر رحم فرمایا اور مجھے ہدایت فرمائی کہ ماری
سر پرستی کرو۔۔۔ سوکر ہی ہوں۔“
غھست کے مارے بہت بُری حالت ہو گئی۔ جسم کا یہ راستہ کا نب رہا تھا
ہبنت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان گنگ ہو کر رہ گئی لب کہا جائے دال نظروں
کے اُسے دیکھا رہا۔ اس کے باہم وہ بھی وہ طرے پیارے دیکھتی ہوئی بولی
”تم ہبست ہو گئے ہو مجھے تم پر ترسن آتا ہے۔ اس لئے کچھ بھی ہو میں تمہارا
ساخہ نہیں چھوٹ سکتی، درز قطب قلی کیا بُرا تھا۔ میرے ایک اشارے پر
زوجہ اُذن کو لٹلان دے گا اور میرا ہی شہے گا۔“ میں نے دل میں سچا لازمی
ہی کے ہزار فی خیر تو یہی کیا یاد کرے گی۔ میں دیکھوں گا تھے۔ ہیرا لال کا بھی اُس
نے میرے دل کی بیات جان لی ہو مجھے گھورتی ہوئی بولی۔ ”تم مجھے اپنا پیچا
تھیں پھر ڈاسکو گے۔ اگر اس کی کوشش کی وجہان سے مجھی خاذ گے۔“
میں نے زخم ہو کر کہاں کر خدا کے لئے بس کر۔“

نرم پڑ کر بولی۔ ”میں جو کچھ ہی کر رہی ہوں مہارے بھلے کو کڑ رہی ہوں۔
حد بیاں کا کیا ہڑو سے آج اسماں پر چڑھتے ہوئے بیں کل کسی بات پر
امعقول ہوتے اور تحت اشری میں پہنچ گئے۔ ہر کہاں مخکریں کھاتے ہیں
اچھی موتعہ ہے آنسا رہا یہ تو اکٹھا کر لو کر کوئی بُرا وقت پڑتے تو اپنی الگ
ایک خالقہ بنکار بیٹھ جائیں۔“
میں شاٹے میں آگی۔ دل میں سوچا، اربے کم بخت! اخشن میرا بُرا ہرگز کا اور
سری تو عمارتی ہے۔ مجھ سے کیا مطلب تو آخر کون ہے؟ میری کیا لگتی ہے؟“

میں نئے عجی کڑا کر کے کہا۔ تو بوجھ کر رہی ہے وہ قطب قلی کو پانڈ نہیں آئے گا۔
انہیں لٹکان کر بولی ہے اچھا ہی دہ کون سا بڑا اجھا ہے اس کے بارے میں بھی بت کر بوجھ معلوم کر بچی ہوں۔ اُن ترک سردار کی وجہ سے دربار میں رسائی ہوئی ہے۔
وراء اس سے پہلے وہ بھی جوچھ کرتا تھا مجھ معلوم ہے۔

میں سہم کر اس کی شکل تکھے لکا۔ وہ مر جھنک کر بولی۔ بڑے روشن صہیں
بنتے ہوں فرایانا تو دربار تک پہنچنے سے پہلے وہ کیا کرتا تھا۔

میں سے کرہ کر کہا۔ ”ندا ہی جلنے“ بچھے بہت غزر سے دیکھتی رہی۔
چھر بولی۔ ”امیر اتحاداً اگر ابھی جاندما بچور دوں تو گردن مار دی جائے۔“
چندنا طہ طہ اپسیت میرے ہم سے بچھو طہنے لکا اور میں سوچے جارا تھا، کیا
واقعی اس پر بن آتا ہے؟ اگر نہیں آتا تو اسے قطب قلی کے بارے میں کے
معلوم ہوا۔ تو چھر میرے دارے میں سب کچھ جانتی ہوگی۔ آخر کیا بلاسے؟ وہ
مجھے غزر سے دیکھے جا رہی ہی۔ آخر مکار اکر بولی۔ ”جالے ہے اس کی عمیری طہ
آنکھا طھا کردیکھ سکے۔ دوسرا ہے ہی دل اس کا لاثہ قل کاہ میں قطب رہا
ہوگا۔“

میراے اختیار یہی دل چاہ رہا تھا کہ جنحے مار کر بے ہوش ہو جاؤں ایسے
اس ناگی کا سرمن نے اسی وقت کیوں نہیں کچل دیا تھا جب وہ بے لیسی سے
میری مدد کی خواہاں ہتھی۔ ”واہ نسترن بازو دا۔“ ترنے اچھا گل کھلایا
ہے۔

میں نے اس کی منت سماجت شروع کر دی کہ قطب ملی سے نہ لمحے
”میں اُسے اور اُس کی زوہرہ کو اس کی خیرت ہونے دوں گا۔“
اُس نے کہا۔ وہ جانتی ہے کہ میں حاجت مندوں سے معاف نہ طوں

کر لیتی ہوں اور اُسی نئے تم کو محی بتایا ہے۔ درینہ میں جانتی ہوں کہ تم بہر دپتے
ہو۔ حقائق دشمن صہیں نہیں ہو۔“
میں نے را تھا اٹھا کر کہا۔ ”بل کر۔ جب تو اتنی چالاک ہے تو خود ہی۔“ دھندا
کیوں نہیں شروع کر دیتی۔ مجھے یقین میں کیوں پیس رہی ہے۔ ”ہنسن کر لوں ہیں میں
عورت ہوں اس لئے لوگوں کو شکل سے یقین آتے گا۔ یہی بہتر ہے کہ تم پیر بنے
رہو اور میں گاہک بھالنگی پھروں۔ تم دیکھنا کہ میں لکھنی جلدی تھیں مالدار بناتی
ہوں اور بھرائیں خالقہا تیغ کراؤں گی کر دیا دنگ رہ جائے گی۔“
سوائے اس کے کہ اس کی ہاں میں ہاں ملانا اور کیا کر سکتا تھا۔ رات کو
مرنے لیتا تو سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ پھر عورت تو گردن کٹوادے کی
کیوں نہ چپ چاپ کشی طرف نکل جاؤں اور اس میں جلدی ہی کہ فیض بخیے۔
اگر قطب قلی کے ہاں میں بھکت بھی پڑ گئی کہ یہ مراد اس کی حیثیت سے واقف
ہے تو بھری ہی خیر نہیں۔ میں توبے گا کہ میں نے ہمیں اُسے بتایا ہو گا کہ یہ سوچ رکھا
تو یہ بھی سوت پتے گا کہ کہنی میرت اور اس حرفا کے درمیان ناجائز تعلق تو
ہیں ہے یا کیونکہ اسی الحالت میں عورت میں تردوں کے بیٹے کے اندر تکاب کی باتیں
نکلوں لیتی ہیں۔ وہ رکے مارے میری لکھنی بندھ گئی۔ میں نے فصلہ کر لیا
کہ جوچھ بخی ہے تو نہیں ہے اسی راست کو ہو جائے دیں چھکے سے اٹھا کچھ عورتی
بہت رفہ میری ٹانٹھ میں بھی موجود تھی لیکن دربان کی آنکھ میں دھتوں
جھونکتا مشکل ہو گا۔ رات بھر جاگ کر پڑاہ دیتا تھا اور دن بھر سوچا تھا۔
درہانی کے ذرا اپن اس کا بیٹا انجام دیتا تھا۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ
اسے سر طرح پچھر دیا جائے اور میں بھر و عانیت یہاں نے نکل جاؤں۔

میں نے تھیسہ سر لیا تھا کہ کسی طرح آج ہی رات کو جویلی سے نکل جاؤں گا۔ لیکن دھڑکا لگا ہوا تھا کہ چرخ کج زفار کمین اور کوئی گل نہ لھاد سے نہ تن بانو قمر خداوندی بن کر محض پرنازل ہوئی بھی۔ برعکس رات ہوئے کا اسٹار کرنے کا۔ شہ پر کر قطب تلی آگیا۔ ہر ٹوٹھش نظر آ رہا تھا، میں سمجھا شاید عمدے من مزید ترقی ہوئی ہے لیکن اس بدختت نے تو کوئی اور ہی داستان چھڑو دی۔ کہنے لگا کہ دوپر کے کھانے کے بعد فیلو لے کو لیٹا تھا۔ اسکے لگے ہی آپ کے پیر و مرشد نظر آئے رخت برہم تھے۔ میرا تو دل لرزنے لگا۔ آپ کا نام لے کر بڑا جلا کہہ رہے تھے۔ یہ نکام سن کر میں شاٹے میں آگیا کیسے پیر و مرشد اور کہاں کے پیر و مرشد، جو اس نامہجاڑ کو بھی خواب میں نظر آگئے، لیکن برعکس رات مجھے اپنے جھوٹ کا بھرم رکھنا ہی تھا۔ ٹپ کر بولا۔ اے طلب تلی یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا پیر و مرشد کو میری اس بات پر خستہ تھا؟

”خو تھنی نکال کر بولا۔ یہ تو میں نہیں جانتا، لیکن پر خستہ آپ کا نام لے کر فرمایا۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس کی دو بیویاں ہوتی ہیں اللہ پاک اس کے سارے گناہ معات کہ دیتا ہے؟“

”مجھے پچھا آگیا۔ لیکن پیکوت ہی پر فرار کیا۔ ہبلا کہتا کیا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ نہ تن بالو کو تصرف میں لانا چاہتا ہے۔ اور اب میر پیرو مرشد“ کو بھی کہنے پا شروع کر دیا ہے اُس معلمے میں میں نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ لیکن اسے خوش بخت میری تو اچھی سک ایک بیوی بھی نہیں ہے۔ یہ پیر و مرشد دو بیویوں کی بات کہا ہے لے میٹھے؟“

طلب تلی کا نہرہ مُلا گیا۔ شاید میری نادانی اور حکم بھی نے اسے گرا صدمہ پہنچایا تھا۔ ہٹھی سائنس لے کر بولا۔ ”خداء ہی جانے میں نے تو اس تھے عرض کیا تھا کہ یہ خواب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید آپ ہی اس کی تعمیر و تلفیر کر سکیں۔“

”میں نے کہا“ پیر و مرشد کی باتیں پیر و مرشد ہی جانیں بندہ عاجز والا چارہ سے، ایک بیوی ہوتی تھی تو دوسری کا سوال پیدا ہوتا۔ تم خود ہی سوچ جلا سمجھ میں آئے والی بات ہے۔“ لہمہ دو تین ہٹھی سائنسیں لے کر خصت ہو گیا اور مجھے پھر نہ تن بالو پر غصہ آئے لگا۔ پتہ نہیں کتنوں کا درد مرد بنتے گی، یہ عورت بخار بھول جاتی ہے جیسے بخاری کو دنیا کا علم ہی نہ ہو لیکن پس کی گانٹھ، خدا اسے غارت کرے۔

”ھوڑ می دیر بعد دیکھا تو کھل کھل ہنستی چلی آ رہی ہے۔ ہڈیاں سُلگ کر کرہ گئیں۔ قریب پنچی تو نہیں روک کر بولی۔“

”نا ہے تمہارے پیر و مرشد تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔“

”کیا بک رہی ہوئے“ میں نے اپنی انکھوں کو تھر آ لو دیا نے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”بھجو سے تیز سے بات لیا کر دو۔“ اس نے بھی آنکھیں لکالیں اور میرا دل کا پن کرو رہا گیا تھا، لیکن ظاہری یا ازف و ضمیحی میں فرق نہ آئے دیا۔ اس نے لیے ہی تیر لجھ میں کہا۔ ”اسے سمجھا دو کہ میرے بچکی میں نظرے ورز مارا جائے گا۔“

”آغز بات کیا ہے؟“ میں نے انجان بن کر پوچھا۔ قرآن زبانا کر بولی ”تمہارے پیرو مرشد اس کے خواalon میں آتے گے ہیں۔“

”ہاں ہاں ٹین جلدی سنسے بولا۔“ کہرا تھا، پتھر میں کیوں پیرو مرشد مجھ سے ناراض ہیں۔“

”کیا پیرو مرشد کا پیغام تم تک نہیں پہچایا۔“ ہنس کر بولی امیں لکھ لے بسی کے کہا۔ پتھر نہیں پیرو مرشد کیا چاہتے ہیں۔ میری تو ابھی تک شادی بھی نہیں ہوئی۔“

غتر اکر بولی ڈال کیا واقعی تم اتنے ہی گھاٹڑ ہو۔ ”” اس طرز تھا طلب پر مجھے بہت غستہ آیا تھا۔ کیا کہتا۔ سچ ہی تو کہا رہی تھی۔ گھاٹڑ ہوتا تو اس طرح کیوں ٹکلے پڑتی۔ مجھے خاموش دیکھ کر کھٹے لگی۔ ” وہ تم پر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ تمہارے پیرو مرشد چاہتے ہیں کہ تم مجھے اس سنکاری شان پر آناؤ۔“

”ابرے تو یہ توہہ۔ میں اپنا نہ سیطیا ہوا بولا۔“ چھلا کیس طرح مکن ہے میں تھیں کس طرح آمادہ کر کیا تھوں۔“

وہ ہنس کر بولی جس طرز تھا وہ خود تم سے مار گوہ ہے اُسی طرز مجھ سے سمجھتا ہے۔

تو پھر اسے نہ تن بازوں میں اس عاجز کا لیا تصور ہے، میں اپنے دل میں بیا اور اس سے بولا۔ ”اب جاؤ میرے مراقبے کا دفت ہے۔“

”سنوبیری جی، اب ہم دونوں یہاں نہیں رہیں گے۔ ناہدہ بھی کیا اسٹ پو بیسے کے ساتھ رہنے کا۔“ اُس نے بھجے کسی شکاری بکٹیا کی طرح گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”میں نہیں بایتیں نہیں۔ سننا چاہتا تم کون ہوئی ہر بیسے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے والی۔“

وہ دانت پسیں کر بولی ”کیوں غرب و خوار ہرنے کوئی چاہتا ہے تم وہی کرو گے جو یعنی کہوں گی۔“ شام کا ایک پنج ہزاری صولت خان تم بے بنے آردا ہے۔ وہ مجھے اور تم کو اپنی حوصلی میں لے جائے گا۔ تم اپنے اور پھر دری مجد و میت خواری کر لو۔“

ایک بارہ چھر میرا منہ جنکا آگیا۔ پچھہ کہنا چاہا تھا۔ لیکن زبان نے سنا کہ زندگی میں ابے ہنگمہ، ای آوازیں حلقوں سے نکل رہی تھیں۔ وہ مجھے تیز نظروں سے دیکھتی رہی۔ آغز بولی ”صولت خان کو دوبار کوئی زہر دینے کی کوشش کر جا ہے یا امچاڑا پھر۔“ میں ہر کلایا۔

”تم اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کرو رہے گے۔“ اس نے کہا اور اپنا سر کھالا۔ ”لیکن تھوڑا یہ اتنا کام تھا۔ تعودتی مجھے بہر و پیاسا بھی سمجھتی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ جیسی روشن ضمیر کا گزدار ادا کرو۔“ صولت خان کو بتا دوں کہ اُسے زہر دینے کی کوشش کوں کر رہا ہے۔ آخر میں زخم ہو کر بولا۔ ابے غلام عمودت ایک طرف تو مجھے دھونگک رہ جانے والا کہتی ہے اور دوسرا طرف یہ کہ میں بھی روشن ضمیر کی طرح ازدروئے مکا شفیر صولت خان کو اس کے وہمن کی شخصیت پس کا گا کر دوں۔“

”اس کی فکر نہ کرو، میں تمہاری رہنمائی گروں گی۔“

دل ہی دل میں رہ جانے والی تھی۔ اگر وہ نامراہ صولت خان پیک ہی پڑا تو کیا کہ سکون گھا سوچتا اور کڑھتا رہا۔

سوندھ غرذب ہرنے سے کچھ ہی دیر قبیل صولت خان کی آمد کا علفلا بلند ہوا تھا، مہت بڑی بات تھی کہ کسی پخت صدی کے گھر پر کوئی پنج ہزاری نزول فرمائے۔ اندر بارہ تملکہ ٹپکیا قطب قلی برسی طرح سراسیمگی میں مبتلا ہوا تھا۔ فدا دیر بعد دیکھا کہ وہ باشکل خادوں کے انداز میں صولت خان نے ساتھ چلتا ہوا میرے چھبوڑے میں داخل ہو رہا تھا۔ میں نے نترن بالو کارٹار طایا ہڈا سبنت دھر آنا شروع کر دیا۔ صولت خان چہاں تھا فرمی اسادہ ہو کر کسی خوفزدہ گینڈڑ کی طرح مجھے دیکھنے لگا۔ قطب قلی کی آنکھیں بھٹکی پھٹکی رہ گئیں، اُس نے کہا ہے کہ بھی مجھے اس حال میں دیکھا ہوتا جماں بزرگ آن واحد میں خلاں بن کر لڑا دیگا تھا۔

دفعہ صولت خان میرے قدموں پر گڑ پڑا اور یوں گویا ہوا۔ "یا حضرت میں بھجو گیا کہ آپ شیا فراز ہے ہیں اب مجھے اپنے قدموں سے جدنا نہ فرمائیے گا۔

چند روز میرے غریب خانے پر یہی تیام فرمائیے، مجھے بھی خدمت کا موقع دیکھنے بھجی، غرفت بخیت کیا کاف پاک برمیں بستادوں اور دین دو بیان کی

حروفت میتھے بالا مال ہو جاؤں۔" میرے پاس میں اس کا سچا سچا ملہ، میرے ہمہ کہتے ہیں کہ

بھجو یاں کے، ہمارا قطب قلی اتنا لکھت رہے۔" کتنے کوڑ کہہ دیا لیکن چھر کھلا کر چاروں طرف اٹا دیکھنے لگا کہ کمین دھڑکانہ تو مو جو دہیں اے۔

"یا حضرت انتظت خان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" صولت خان

گرد گرد ایا۔

"وہ کس طرح" میں نے قہوک نیکل کر پڑھا، متمن کر دیا۔ "بس صولت خان کو دیکھنے ہی ادل فول بینا شروع کر دیتا ہے۔"

میں نے داشت میں کر کہا۔ "اب شاید جو تے بھی کھلوائے گی۔"

"محترمہ ذالا باقہ توڑ دوں گی۔" تم مجھے سمجھتے ہیما ہو جی۔"

"نہیں میرے لیں سے بارہ ہے۔"

"تب پھر ہوتے ہی کھاؤ گے۔"

لغت ہے ایسی زندگی پڑیں نے سوچا کیوں نہ اس حورت کا گلاہی

دیکھو شد دیا جاتے، پتہ نہیں کس صیحت میں چھٹانے والی ہے، میں اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا رہا۔ لیکن اندر سے دل تو لرز رہا تھا، یا بت بیک وہ

بھر نہم پڑ کر بولی۔ "مولت خان کو دیکھتے ہی جیسا شروع کر دینا، بھاگ جاؤ۔" پھر جاوے جاؤ آئتیں۔ بھاگی لال روائی

لنگڑا چلا قیامت کی جاں۔ چلو جاگو گندے آدمی۔" تم سب گندے ہو۔ . . . جھائیوں کا گوشت کھانے والے۔"

میں پا گکوں کی طرح منہ چھاڑے نہتھا اور اُس کی شکل دیکھا رہا۔ اُس کے خاموش ہو جانے پر بھی دیکھ کر سمجھ میں بر تارکاری میں کیا کوئی۔ اُس نے کہا

پھر سنو! اور لفظ بے لفظ زبانی یاد کرو۔ انداز چھو جائیا ہی ہوتا چاہتے جیسے تم پر دیواری نگی طاری ہو گئی ہو۔"

میں نے پوچھا۔ "مطلوب کیا ہے اس بخواہیں کا۔" کہتے گئی کہ ضصول بخنوں میں نہ پڑوں، چر کچھ کمر رہی ہے اس کے غلاف کرنے پر مجھے بھگنا پڑے گا۔

چاروں ناچار پڑھا میوا ہیں رٹنے لگا۔ شاید نیکل جائے گئے کی محنت

۱۴
”ہم نہیں جانتے۔۔۔ بھاگ جا۔۔۔ کمال دار ہی۔۔۔ لال ردمان
لنگڑا چلا قیامت کی چال۔۔۔ ورن۔۔۔ موردنفع۔۔۔ جہائی کا گشت
جہائی۔۔۔ قاتی۔۔۔ قاتی۔۔۔“ میں اس بکواس میں مزید
اضافے پر تمل گیا۔

”حصیر۔۔۔ حضیر۔۔۔“ اب کرت طب فلی گھڑا گھڑا یا ”خان زمان
کی درخواست تظیر فرنا یتے، اسی میں میرنی خوشی بھی ہے اور مجھے اس پر نزاکت ہے
کہ ترپ میرے آتا ہیں“ میں نے اسے قہر آزاد نظروں سے دیکھا اور اس نے
بھی جلدی سے میرے پاؤں پکڑ لئے۔

پھر ہو یا ایں مجھے اٹھا ہی پڑا تھا۔ پتہ نہیں اس مکار عورت نے کیا پچک
چلایا جھاکر قطب تلی بھی اس پر سجنوشی راضی ہو گیا تھا، ورنہ وہ کہاں تھا مجھ پر نہ
والا۔ صولت خان نے کہا ”ماں صاحب کی سواری بھی ساختہ ہی جاتے گی۔“

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ یعنی نترن بالو۔۔۔ اب قطب قلی ہٹکا کر رہ گیا!
”اب سے نام لو قطب خان۔۔۔“ صولت خان ناخوش شکار بجھے میں بولا۔

”شاید اُن کے مرستے سے آگاہ نہیں ہو۔۔۔ وہ بھی دلیتہ ہیں۔۔۔“
مات تیری کی دل چالا کر اپنا سر پیٹ لوں لیکن پھر ”ماں صاحب عکے ڈر
سے ہمت نہ پڑی۔۔۔ خدا جانتے کہنا بلا تھی یہ عورت بھی اور پتہ نہیں مجھ سے
کیا بکواس کر کے صولت خان پر کس قسم کا اثر ڈالا تھا۔

بھر حال اب میرا فرازنا مکن ہر چکا تھا، اوماں صاحبہ تھے جہنم نسب
ہو۔۔۔ مجھے میرے سامان سمیت گھڑا گھڑا یا میں بٹھا دیا گیا۔ سانس کی نشت
پر ”ماں صاحب“ تشریف فرا تھیں خود صولت خان شل چاکروں کے گھوڑے
پر سوار ساختہ چل رہا تھا، ہمت نہیں پڑ رہی تھی نترن بالو کی طرف پیکھنے۔

بیادِ خصصے میں کچھ میرے ٹونٹے نہ کھل جائے اور راستے ہی میں کٹ جائے گردن
وہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔۔۔
صلوت خان کی خوبی کا کیا پوچھنا۔۔۔ قلمع تھی۔۔۔ قلمع ہم دونوں
کے قیام کا ایک ہی جگہ اتظام ہوا۔۔۔ وہ بہت خوش نظر آرے ہی تھی اور میں نے
تو گمراہ پسے ہو رک سی لئے تھے وہ بھی رات کے کھانے تک کچھ نہیں بولی
تھی۔۔۔ خاصیت کے سراہ صولت خان بخوبی آیا تھا۔۔۔ اسے ویکھ رخاخواہ میری
زبان میں بھی بیشروع ہو گئی اور میں نے کتابشورع کیا۔۔۔ کیا تو ہمیں اس لئے
بیان لایا ہے کہ ہمارا نفس موٹا ہو جاتے۔۔۔ جا یہ سب کچھ ہم معرف مونگ
کی دال اور ادھر جلی روٹیاں کھاتے ہیں۔۔۔
اس پر نترن بالو کو بھی بلنا ٹا۔۔۔ پیر درستہ بجا فرماتے ہیں خان مائے
نعت ہمارے لئے نہیں ہیں،۔۔۔ ہم روکھا سو کھا کھاتے ہیں۔۔۔
”یا حضرت گٹاخی کی معافی چاہتا ہوں۔۔۔“ صولت خان کو گڑایا۔۔۔ ابھی
حاضر کرتا ہوں مونگ کی دال اور ادھر جلی روٹیاں۔۔۔
وہ خاصے سیت والین جلا لیا اور نترن بالو دانت پسیں کر لیوں۔۔۔ یہ تم
کے کیا کیا۔۔۔ گھاڑوں کے ستر تارچ۔۔۔ اب مجھے بھی مونگ کی دال کھانی پڑے
رگی۔۔۔
”تم بھی تو ولیت ہو۔۔۔ اسیلا میں ہی تو نہیں
ذلی اللہ۔۔۔“

”غُربت بھی ہوں،۔۔۔ بتاؤں گی۔۔۔“
”اے بے وقوف عورت،۔۔۔ سوانگ بھڑا ہے تو پوری طرح
بھڑا لیا یکوں ہو کر پکڑ لی جائے۔۔۔“

"اچھا اچھا دیکھوں گی۔"

"اگر منہج کی دال کھاتے کھاتے اس قابلِ رہی تو فضور دیکھ لیجیوں۔"
پس کتی ہوئی اس سے بڑی ممتازت کسی سے بھلی سرزد نہ ہوئی ہوگی۔

کچھ دیر مبتداً منہج کی دال آدھ جلی روٹیوں سیرت حاضر کر دی گئی تھی اور ہم نے صولت خان کی موجودگی ہی میں زہردار کیا تھا۔ اس کے بعد وہ جانے کی کامی کٹک کر بولا۔ اس کرے نے تیش کا سارا سماں نکال کر باہر کرو، قابیں ہٹواو اور فرش پر کھجور کی چٹائیاں ڈالوادو، ہم انہی پرسوئیں کے۔

"بہت بہتر حضرت والا۔" صولت خان نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ نترن بالو نے پہلے ذات پسے تھے چھراس کے پھرستے پروردی چھاگتی۔ حکومتی ہی دیر میں کمرہ خالی ہو گیا اور فرش پر کھجور کی چٹائیاں ڈال دی گئیں۔

"باہر خادم موجود رہے گا۔" صولت خان نے کہا۔ "بہریک تھا۔"
اسکی خادم وادم کی ضرورت نہیں، ہم خود ہی خادم ہیں خلیل اللہ کے
جیسی حضور کی مرضی۔ صولت خان نے کہا اور چلنے کو ہوا۔ پھر یک بیک گرک کر بولا۔ تناشے میں کیا پسند فرمائیں گے؟

"بھنے ہوتے چھے اور بای پانی۔" میں نے کٹک کر جواب دیا، نترن بالو نے انھیں بند کر لیئے چھرے پر ایسے ہی آثار پائے جاتے تھے جیسے جانکنی میں مبتلا ہو گئی ہو۔

"بہت بہتر سکارا والا۔" صولت خان نے کہا اور چلا گیا۔ تب میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گردن سکٹنے کا منتظر رہا۔ نترن بالو تھجھے وحشیانہ انداز میں حجمخوار کر بولی۔ "یہ کیا کر رہتے ہوتم۔"

"اگر ہٹ کر بیٹھو درز بھسم کر دوں گا۔"

"میوں شامت آئی ہے۔"

"اب کہاں ہے شامت۔ وہ تو کتنی۔" ہریاں نہیں چلے گی تیری اگر فراہی
بھی غلطی کی تو خود تیری ہی گردن کٹ بھائے گی۔ اب کس منہ سے کہے گی کہیں
بہر پیا ہوں۔ میوں بکر تولے ہی مجھے ولی کامل ثابت کیا ہو گا تھی تو ہریاں کہ پہنچا
ہوں۔"

"اچھا اچھا دیکھوں گی تمہیں؟" وہ ذات پس کر رہا گئی۔

"اب اگر تو نے جلدی سے مجھے اس بھکاریں کا مطلب نہ بتا دیا تو صبح اپنی
ادر تیری دلوں کی گردی دنیں کٹا دوں گا۔"

"خدا تمہیں خارت کرے، میں تمہارے لئے آسائشیں متائج رہی ہوں اور
تمہارا یہ برتاؤ ہے میرے ساتھی۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ تو میرے لئے آسائشیں متائج کرے۔" وہ پھر نہ یوں مضاف۔
نظر آرما تھا کہ مسلسل ذات پیے جا رہی ہے۔"

"مسوڑ ہے ڈھیلے ہو چاہیں گے۔ اپنی چاندی سی صورت پر برحک کرے۔" میں نے
کہا۔

چاہک منکرائی اور بولی۔ "کیا میں پسخ بھی تمہیں چاندی سی گئی ہوں؟"

آپستہ بول کھین کریں سُن نہ لے اور مجھے مارنا کہ شاعر بیان دیا ہاتھے۔

"بہت پہنک رہیے ہو۔ میرا دارا دھیل گیا تو بتاؤں کی۔"

"تیر سے داؤ قطب قلی کی جویلی ہی میں رہ گئے ہیں، پھر کہتا ہوں کہ ہریاں
تیری نہیں چلے گی۔"

"آغزتم چاہتے کیا ہو؟"

"عنی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ تو مجھے اس بھکاریں کے

مقصد مطلب سے آگاہ کر دے۔

”ابھی نہیں شاؤں گی جاہے کچھ ہو جائے۔“

”ابھی بات ہے..... تو پھر فاؤن کے لئے بھی تیار رہنا چاہیجے مجھے پہنچے، میں نے تھکن لے لیا۔“

”کروں گی فاقہ بھی۔“ وہ ٹھنڈی سالن لے کر بولی۔ ”لیکن تمہارا مستقبل تو کسی نہ کسی طرح شوازناہی ہے۔“

”دیکھو مجھ تو ہماری ماں صاحب ہے؟“ میں نے جھلا کر کہا۔

”بکواس کرو گے تو اپنی گردن کسٹ جانے کی بھی بروائیں کروں گی۔“

”آخر تو میں ہمارے خال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔“

وہ خاموش رہی پتہ نہیں کیا سوچنے لگی تھی، میں اسے تشویش بھرے

انداز میں دیکھا رہا۔ چھوڑی دیر بعد بڑی لگاؤٹ کے ساتھ بولی۔ ”اب میں تم سے بچھڑ جانے کا تصویب بھی نہیں کر سکتی۔“

”اور میں بے چین ہوں بچھڑ جانے کے لئے.....“ میں نے

دانت بیس کر کہا۔

”اتنے طامیکوں ہو۔“ اس بار اُس نے ایسی نظروں سے دیکھا

تھا کہ میں سڑک سے پریکٹ کاٹ کر رہ گیا۔ ”اُن نے اسی لمحے میں

کہا۔ ”آخر کیوں نہیں سوچتے کہ میں ہمارے بچھے بھاگتی کیوں پھر رہی ہوں۔“

”سوچوں گا سوچوں گا۔“ میں نے بوکھلا کر کہا۔ اس کے دیکھنے کے

انداز نے مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

”ضیغ کو خیسے ہی صولت خان سے ملاقات ہوا پہنچا اور پھر خود دست

خالی کر لینا اور اسی حالت میں جو کچھ کہنا ہے ابھی سے بتاتے دے رہی ہوں۔

خوب اچھی طرح یاد کر لینا۔“

”مگر یوں تماشا بناری ہے مجھے۔“

”اُس کا فائدہ تین بھروسوں کے بعد معلوم ہوگا۔“

”میں ختنے پے بسی سے ٹھٹھی سالن لی اور اُس کی تکلیف تکارا۔“

”جب وہ آتے تو اُسے دیکھے ہی کہنا شروع کر دیتا کہ سُوری تھوڑتھی سے

اندر نہیں نکل کر رہا۔ میں آتی ہیں۔“

”ہر شیار زندہ ہو رہا مارا جائے گا، لہجتی چال لال رومال۔“

”آخر یہ سب کیا بکواس ہے؟“

”آہستہ آہستہ رعنایا شروع کر دو اور ہاں اُس وقت اس کی موجودگی میں ہوتی کی کوئی بات ترکتا۔“

”بھتے ہوتے چزوں سے ناشستہ کرنے کے بعد دیے بھی ہوشش کی

ایں نہ کر سکوں گا۔“

”میں تھیں اتنا بیوقوف بھی نہیں دیکھا چاہتی حصے اس وقت شابت

ہوئے ہو۔“

”بچھ سے بچھ کارے کی کیا صورت ہوگی؟“

”توت کے علاوہ اور کوئی تمہاری یہ شکل آسان نہیں کر سکے گا۔“

”آخر بچھ دسے کون سنی خطا مرزا، ہوتی ہے؟“

”وہ کچھ نہیں۔“

”جوں توں رات گزاری تھی اور بصیر ہوتے ہی نترن بالوں کا پڑھا رہا۔“

دوسری سمت لگا تھا۔ پھر صولت خان سے ڈبھڑ ہوئی اور میں نے وہی

بین دہرنا شروع کر دیا اس بارہ فرش پر اندھا بیٹ کر میرے پیروں کو لے
ویتے لگا تھا۔ نترن بالو کی طرف سے اجازت
میری نگرانی کرتی ہو گی صولت خان اٹھا تو اس کی دلٹھی انسوں سے تر
نظر آئی۔ پھر اسی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ یا حضرت مجھے پہلے ہی سے شب
ختا۔ آپ نے اُس کی تصدیق کر دی۔ زندگی ہمارا بہی غلامی کرتا رہوں گا۔
یہ نے خاموشی اختیار کی تھی اور پاکلوں کی طرح جھوٹے خارا تھا۔ پھر انہیں
بھی بزرگ کر لیں۔ ہم تو طریقہ دیر بعد میں نے نترن بالو کی سرگوشی کی۔ شاید صولت خان
سے کہہ رہی تھی۔ ”اب آپ جلتے جذب و یکف کا عالم طاری ہو گیا ہے۔“
”اگر آپ فرمائیں تو دلوں کو طلب کر لیا جاتے۔“ صولت خان نے کہا۔
”اس کا نام بھی نہ لیجئے گا۔ میرے پیر مرشد عطا نہیں ہیں کہ یہست
خاری کرنے کے لئے تو ای کا سماں نہیں گے۔“
”معافی چاہتا ہوں مانی صاحبہ۔“

دوپر کو اچانک حوالی میں کھرام پی گیا مجھے تو نترن بالو کی طرف سے اجازت
نہیں تھی کہ کرسے سے باہر قدم نکالوں اور در دروں میں بھی آئی ہوتی نہیں تھی۔
کہ میرے کرسے میں داخل ہو سکتے۔ چار دن اپاریٹھا ترا۔ لوگوں کے روزے کی ادائیں
بھی آئے کی تھیں۔ نترن بالو نے جانے کہاں تھی۔ میرا بھیت حال تھا، بھی اٹھ کر ٹھیٹے
لگتا کہ بھی بیٹھ جاتا۔ کوئی گھر طریقہ بعد نترن بالو آئی تھی۔ میں نے بے سانحہ پوچھا۔
”یہاں کیا ہوتا ہے؟“ آہستہ سے بولی۔ ایک خادم ہرگیا ہے۔ صولت خان
کا سوتیلا جھانی بکھر پکڑنے سے منزدہ کی چست پڑھ رہا تھا کہ زندگی نے جانے کی طرح نیچے
آجھا۔ سانس تک نہیں لے سکا۔ بیمارہ کالی دار ہی والا تھا اور لالیں بول رکھنے
کا شائق بھی تھا۔

میرا قدم ہنسنے نکل کر رہ گیا۔ یہ کیا کہ رادیا اس نام بھاری عورت نے۔۔۔
خداوند ایں کیا کروں۔۔۔ یہ میں پاکلوں کی طرح پیختے ہی والا تھا کہ اس نے
یہ سے منزدہ کا کھر کھ دیا اور بولی۔ ”یہ۔۔۔ زندگی چاہتے ہو تو خود
کو تابوں میں رکھو، میں اپنی طرح جانتی ہوں کہ وہ صولت خان کا چھپا ہوا دستن تھا۔
اُسی نے اس کو سردینے کی کوشش کی ہو گی۔۔۔

”اُسے تو اس کا خون میری گردان پر کیوں؟“ میں بے بی سے کہا کہ رہ
گیا۔ وہ میرا شانہ تھکتی ہوئی بولی۔ ”میں تمیں کجھی قربتیاں۔ بہت کمزور دل
آہی ہو، لیکن خدا تھا کہ میں تم صولت سے اس کی تعزیت کرنے پڑیجھ
جاو۔“

”خدا کے لئے مجھے کسی طرف نکل جانے دے، نترن بالو، زندگی ہر
تیر احسان مند رہوں گا۔“

”مہس کر بولی۔“ بڑتے بزدل ہو، امر و بنو۔ ان شامہن سلف پر
دی تھی۔

ناظر والو جو سروں سے میلاد نبڑا دیکرت تھے۔
مجھے شام ان سلف سے کیا سو کار، مجھے تو معات ہی رکھ لئے تھے باٹوں بڑوں
ہی رہنے والے ہیں کہ لوی۔ میں اچھی طرح خانتی ہوں کہ کچھ دلوں بعد تم
مجھے دعا میں دو گے بسراخ کائن کھول کر سن لو کہ تم اب صولت خان کے سامنے
ابنی زبان قطعی بد رکھو گے۔ اس کے بھائی کی موت کا ذکر سماں نہیں کردے گے ایسے
بن جانا جیسے تمیں پہلے ہی علم رہا ہو کہ اس کا یہی انجام ہو گا اور تمیں اس کی ذہن
راہبری پر داہمیں ہے۔

میں خاموش بیجا شمارہ اب تو بولتا ہی کی محی سمجھت تھیں رہ گئی تھی۔
بار بار خیال آرہا تھا کہ ایک آدمی میری درجے سے مارا گیا۔ میری وجہ سے کیوں؟
اصل دبہ تو نہیں بازوں تھی۔ نہیں بازو آفرنجوں میں کوئی نسبیت فوج جوں
کر گئی ہے۔ پھر اجائب مجھے اپنی صحیح والی بخاں یاد آئی اور میں بکھلا کر نہ
باڑی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ مجھے غرض سے دیکھنی ہوئی بولی۔
”وہ ستر کی تھوڑتی۔“ میں اشرفتیاں سکل کر لال روان
میں آئی تھیں۔“ میں پھٹلایا۔

”اوہ۔“ ہم کا کچھ۔“ وہ شانے سکوڑ کر بولی۔
”کیا ہو گا؟“ تمیں لے تو یہ سبق مجھی پڑھایا تھا۔
”مُسکرا کر بولی۔“ ابھی سے کیوں جان بکان کرتے ہو، وہ معاملہ بھی غیر تیب
سامنے آجائے گا۔

”خدما کے لئے مجھے تبا دے۔“ میں کراہ کر رہ گیا۔
”اڑے وہ کوئی خاص بات نہیں۔“ کیا تمہیں میرے سابق شوہر کا پھر

یاد نہیں۔ ہوتے سوری تھوڑی کی طرح باہر نکلے ہوتے ہیں دریا میں ہفت ہزار قدمی
کا نصب رکھتا ہے صولت خان سے بلا عذر دیدار ہے لیکن داد داد کیا کہنے
صولت خان کے بے حد ذہین اور بلا کاسازشی ہے۔ تم دیکھ لینا کہ میر اسابی سوری
بھی زیادہ ذہول تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔ جملہ ہی اس کی موت کی خبر سن کر دل
شاد ہو سکوں گی۔

میر اسر اس بُری طرح چکرایا کہ غشی سی طاری ہونے کی اور آہستہ آہستہ
ڈھکلتا چلا گیا۔ چرکچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

کسی کی صد میں کچھ کریٹھا بے دوقن ہے اور اس اسکے تباخ پر چھتا اس
سے بھی بڑی تباے دوقن لیکن پھر بھی زندگی بھر فند کرتے ہیں اور بے دوقن
میں نہترتے ہیں ہو سکتا ہے یہی کمالتی ہوزندگی کی رنگارنگی۔

نشترن یا لاؤکی صد میں زندگی کی ہر صولت اپنے اور حرام کریٹھا تھا۔
حماقت ہی تھی لیکن اس حماقت میں لذت لکھنی تھی۔ لکھا لطف آتا تھا۔

جب اُسے کھجور کی چٹائی پر بے حدی سے کرڈیں بدلتا ہوا دیکھتا۔ لکھتی
تکھیں مجھے ہوتی تھی، جب وہ نان جوں کے خجک ذائقے لیے گھوٹوں
کے شہزادے حلق سے آمار نے کی کوئی تھیں کر تھی ہوئی دکھانی دیتی لیکن وہ خاموشی
سے سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔ زبان سے کچھ نہ کہتی البتہ اس کی آنکھیں
ضور نہ اٹھاتی رہتی تھیں۔ جب بھی دیکھتی ایسی ہی انداز میں دیکھی جیسے موچ
ملے ہی بچھے کچھا جاتے گی۔

صولت خان پنج ہزاری ہمارے آگئے کچھا جارہا تھا لیکن لا جاصل امیں
نے اپنے اور پالی دشت طاری کر لی تھی کہ اس کی خفیدت مندی سے کوئی
فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پھر ایک دن میں نے دیکھا کہ ہمارے چھترے کے

”ہمارا جو کچھ بھی ہو گا، ساتھ ہی ہو گا۔“
پڑے زور کا غصہ آیا اغرا کم بخت عورت خواخواہ میری زندگی میں کیوں
کھس آئی ہے۔ میں نے تو کبھی نہیں چاہا تھا۔ ہر جنگ کر ہج پرست ہوں لیکن
خدا ایسی حور توں سے شیطان کو بھی محفوظ رکے۔ مجھ سے خوشیں بڑا ج اور
زندہ دل آدی کر اجھا خاصا سمجھنا کتنا بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس نہیں عورت نے۔
ایسے داؤ کرنی کر بے بس ہو کر رہ جاتا تھا۔ اب یہی دیکھنا چاہیتے کہ جو پر
پڑہ گواہیں وہ اپنی طرح ماضی تھی کہ کوتھے ہی فرار ہونے کی کوشش
مزدور کر دوں گا اور شاید یہ تھی مسوح رہی بھی کہ کہیں میں کسی طرح اس کے سامنے
شوور کر اس خطے سے آگاہ نہ کر دوں۔

بے حد چالاک عورت تھی۔ بیتہ نہیں کہ رو میں اینا یہ راز تبلیغ دقت
ہی مجھ پر منکوف رکھتی تھی ورنہ اتنے کا سیاں افراد سے ایسی غلطی کا امکان کہاں۔
اب غلطی ہو گئی تو اُس کے امکانی تباخ کے تارک کی کیوں نہ سوچی بہرحال
اس دنت باتوں باتوں میں وہ مجھے ان خطرات سے ایک بار پھر آگاہ کر کے
رخصت ہو گئی تھی، جو اُس سے گلو غلامی کی جدوجہد کے سلے میں مجھے پیش
کی سکتے۔

اُس کم بخت عورت کے لصور سے یچھا چھڑانے کے لئے میں نے
دوسری خودت کے بازے میں سوچا شروع کیا یہ صولات خان کی ایک کنیز
دکر بانی تھی نیسخ شمع دریا تھا۔ جیسے کا عجیب انداز پایا تھا ایسا لگتا تھا
کہ میں رہی اٹکھیلیوں کے طرز کا رقص کر رہی ہے۔ ٹرپی پلکن اٹھا کر
آنچھے ملا تی تو ایسا لگتا ہے۔ دوچاند برایر سے طوع ہو رہے ہیں
لائل ولائقہ۔ عورت ہی کیوں؟ صرف عورت ہی کے یاے میں کیوں

ساختہ پھرہ لگ گیا ہے۔ دو سچ آدمی برابر دروازے پر طلبے رہتے۔
اُن سے براور است قرکچھ پوچھ ہی نہیں سکتا تھا۔ نترن بازو سے استفادہ
کیا تو ہنس پڑی اور بولی ڈرایا تھا۔ میں نے کہیں تم مجالت جذب کسی وقت
اٹھ کر باہر نہ نکل جاؤ۔ ایسی صورت میں تمہاری بازیاں ناممکن ہو جائے گی۔
میں نے جھلا کر پوچھا۔ ”اس کی ضرورت کیوں میں ہوئی؟“ اٹھلا کر
بولی۔ ”من تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“
”اُرے تو کیا میں تیرا غلام ہوں؟“ میں نے آنکھیں نکالیں،
”اتھی بخش و تکرار کیا ضرورت ہے؟“ وہ چھپا۔
”میں اپنے قطب تلی کے پاس والیں جانا چاہتا ہوں۔ صولت خان
کا کام تو ہو گیا۔“

”ابھی پورا کام کہاں ہوا تھا۔ ابھی تو میرا ساتی شوہر زندہ ہے۔“
میں نے ایک بار پھر اپنا سر پیٹ لیا۔ دوسرا خون بھی میری ہی گردن پر
ہو گا۔ خدا اذنا میں کیا کروں؟ آخر وہ اسے کس طرح نار سکے گا جب کہ وہ
ہفت بزاری ہے خود اسے اس کا احترام کرنا پڑتا ہے، اپنے جہانی کی بات
اوڑھی۔ اُسی کے ساتھ اسی جویں میں رہتا تھا اور شوہری قسمت سے بکھرنا ز
بھی تھا۔

میں نے نترن بازو سے کہا ”دوسرا کام ہرگز نہ ہو سکے گا۔“
مہش کر بولی۔ ”ہو کر رہے گا۔ میرا ادا کبھی خالی نہیں گیا۔“
”اچھا، پھر اس کے بعد کیا ہو گا؟“
”میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔“
”میرا کیا ہو گا؟“ تمہاری بات نہیں کر رہا۔

سوچا جلتے ہی بھی کوئی عورت ہے۔ ایک عورت کے لصوہ سے بچا جائے کے لئے دوسرا کے بارے میں سوچ رہا ہو۔ ٹھہری نباختات! ملکن خدا فذ آپ کیا اسرار ہے۔ آدم اور حوا کو الگ الگ بنانے میں کیا باخت حقی ہے؟ آدم کی سیلی سے برآمد کرنے میں کیا اپنے خدا اور پھر یا میں پسلی... بھی دل کا مقام! بخوبی آدم کے دل کے آس پاپیں ہی کمیں فروکش میں بی توڑا... یا پھر یا میں پسلی سے مرادی تلقینہ دل ہی ہو۔ آدم کے دل سے برآمد ہوئی ہوں۔

بس تو پھر دل کے بیکھنے سے روگردانی کہماں ممکن ہے؟ ایک سے تنفر ہو کر دوسرا کو گلے کا مار بنا نے پر کیوں نہ مجبور ہو۔ بلے چاہے آدم ناڈی خود آدم تو اسی کو گلے کا مار بنا رہے تھے جس کی وجہ سے جنت بدر ہوتے تھے۔

تریہ درباری قیامت تھی۔ ہمارے نے ناں جوین اور ہونگ کی دال وہی لایا کرتی تھی اور اس دشت مک تربیت میں موجود تھی جب تک ہم ہملنے سے فارغ نہ ہو جائے اس طرح دن میں تین بار اس کے دیدار دربار سے خرازہ صورت کو سورہ تجلیات بنانے کے موقع نصیب ہو جاتے تھے۔

نسترن بالر سے نظریں چڑا چڑا کر مجھے دیکھتی رہتی۔

اپنہ میں سوچنے لگا کیا وہ کسی طرح نہیں ہے اور کام ہی کیا تھا؟ بین ہیں ناک کسی طرح مجھے بہاں نہیں نکل جائے میں مدد نہیں لیکن آنحضرت سے کیا بتاؤں گاکر کیوں نکل جائنا چاہتا ہوں۔ چھپر و مرشد نے مجبور کسی کیتھر سے مدد کے طالب ہوں۔ وہ نہ دیکھا سوچئی ہے؟

شام کو نسترن بالر پھر آئی۔ میں اس کی شکل تکھے رکا کہ جب بھی آئی تھی کوئی تھی غیر لاتی تھی اس وقت بھی لاٹی تھی لیکن یہ دربار کی خبر ثابت ہوتی۔ اس کا اپنا کوئی معاملہ نہیں تھا!

خنے گلی ”پہنے کجھی نہیں شُننا کہ کسی مسلمان بادشاہ کو سجدہ کیا گیا ہو گازی خان یہ خوش نہ تھی ہوائی چھوڑی ہے۔ کہتا ہے کہ بادشاہ کو سجدہ کرنا جائز ہے۔ علماء بچھوڑتے ہیں، عجینہ ہنگام بز پا ہے۔ فیضی اور ابو الفضل کہتے ہیں، ملاتیک کا سجدہ آدم کو اور بجا ہتوں کا بحمدہ حضرت یوسف کو سمجھہ تہذیت تھا نہ کہ سجدہ پرستیں پلیں بادشاہ کو بھی سمجھہ تہذیت جائز ہے۔“

میں صرف سٹا اسے دیکھا رہا۔ پھر بولا ”یہ تو کہاں سے الیا کری ہے؟“

خبریں ۔۔۔ دربار کی خبریں کہاں سے لائی ہے؟“

اکٹ کر بولی ”تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟“

میں نے طریقے سے جواب دیا۔ ”ناقص العقل پر۔۔۔ یکلا جن یا لوں سے مجھے کوئی سروکار نہیں اُن میں پناہ کہاں کی عقل مندی ہے۔“

”سروکار ہے کیوں نہیں؟ حضرت آدم اور حضرت یوسف داں دلیل کا کوئی توڑ سچ، پیر و مرشد“

”کیوں میں سر کھپاؤں اپنا؟“ میں نے خصلی آداز میں کہا۔

”میں چاہتی ہوں کہ طریقت کے ساتھ ہی ساتھ شریعت کا بھی کچھ علم تہذیں خاہیں ہو جائے۔“

”ارے تو کیا تو میری سریست ہے؟“ میں اُسے کاٹ کھلنے کو دوڑا۔

پھر اپنی اس کیفیت پرہنسی اگئی اس مردود عورت نے اس حد تک پڑھرا بنا دیا تھا مجھے۔

”پھر کون ہے تمہارا سریست؟“ وہ بھی جلانے پر مل گئی۔

”چپر رہ۔۔۔“

”بہت اکٹا نہ دکھاؤ۔ الگ اچھی سریست سے اچھا اچھا لوں لڑکوں کو کیا کوئی معاملہ نہیں تھا!“

ھر کوئی کھاتے چہرہ۔

"میں کہتا ہوں خاموش رہا۔"

"بانکل جاہل معلوم ہوتے ہو، میں نے ایک علی مسئلہ بھیڑا تھا۔"

"سیار کھاتے ہے اس علی مسئلے میں کون سی طریقہ شکل بات ہے، جس کا رد ممکن نہ ہو۔ مسلمانوں پر نہ ملائکہ کی تقلید واجب ہے اور شریعت را درانی مساف کی پہلی شریعون کو منسوخ کر کے رشتہ امام نے اسلام کا فنا فرما دیا تھا۔ اگر رسول اللہ نے سجدہ تہذیت کیا ہو۔ اگر داجب ہوتا تو پہلا سجدہ تہذیت حسنوزکرم ہی کو کیا جاتا۔"

"وہ ایک دم سے اچھی پڑی اور بولی "واہ، کیا تخت لائے ہو، بانکل، ہی گھاٹ نہیں ہو۔ اب میں تمارے نام سے یہی ولیں پیش گرتی ہوں گی۔"

"میں پڑھتا ہوں اس کی صورت ہی کیا ہے؟"

"بہت صورت ہے، میں کہہ چکی ہوں کہ تمیں دربار کت پہنچا کر دم لوں گی۔"

"اوہ چھر تیر لا شروع ہے کون اٹھا کر لائے گا؟"

"سمبھتی کی باتیں نہ کرو، جو کہوں، اُس پر چب چاپ عمل گرتے جاؤ۔"

"اوہ خدا کی تہذیت آخری یہی تو بتا کر تو مجھ پر اتنی تہران کیوں ہے؟

میرے لئے اتنا کچھ کیوں کر رہی ہے؟"

"میں خود نہیں جانتی،" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "جس بیل بار میں نے تمہیں دیکھا تو عجیب سا لگا تو محسوس کیا تھا، پھر جب تم میرے کام آئے تو یہ لکھا اور بڑھ گیا اور جب بھی تم میری کوئی بات مانے سے انکار

گستے ہو تو دل جاہستا ہے کہ طلب کیے اور مار کر منہ لال کر دوں۔"

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ ای۔۔۔" میں حیرت سے منہ چھاڑ کر رہ گیا۔

"میں پچھ کھسہ رہی ہوں، تمہاری نافرمانی سے بہت دُکھ پہنچتا ہے۔"

"اوہ بُخخت یہ تو بادران رکا وہرا۔۔۔"

"یہ بُختری نہیں۔۔۔" وہ آنکھیں نکال کر بڑی اور میری سمجھیں نہ

آسکا کارا ب اس سے کیا برداشت کروں، بس غست یا سخن، والا حصہ آئے آتے

رہ گیا، یعنی کہ اچاہک دُریا کی آداز نے مجھے اینی طرف متوجہ کر لیا، وہ اندر آنے کی اجازت بلکہ کر رہی تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر انہوں میں سرفراز اور دل میں زور اُتر دیا۔

سر ٹاکر اندر آنے کی اجازت دی اور میں چھپ کلتے بغیر اُس کے خوف

کا جائزہ لیتا رہا۔

"یا حضرت! خان زمان حاضری کی اجازت چاہتے ہیں؟" اُس نے نظری

چھکا کر کہا۔

"ضور۔۔۔ ضرور۔۔۔ اجازت ہے۔" میں جھومتا ہوا بولا۔ طریقی

متزمم آواز تھی، کافروں میں انگلیں ٹپکا گئی۔

اٹھے پاؤں والیں گئی اور نہ تن بالائے مجھ پر جھپٹا نما رہا۔ انکھیں نکال

کر بولی۔" یہ اس کی طرف کس طرح دیکھ رہے تھے۔۔۔

"کس طرح دیکھ رہا تھا۔" میں بھی چھاڑ کمانے دوڑا۔

"آنکھیں چھپڑ دوں گی، بتائے دیتی ہوں۔"

"زبان کو گام دے فار العقل عورت میرے غصہ کو نہ لکھا۔ بہت چالاک ہو گئی، پھر بھی میں مرد ہوں اور تیرا شوہر نہیں ہوں کہ مجھے مجھوں بالکل ہی پر ڈوقن

سبختے کا حق حاصل ہو گیا ہو۔“
”شوہر“ دھن خدارت آمیر ششی کے ساتھ لے لے۔ ”ام جیسا گاؤ دی میرا شوہر
ہوئی نہیں سکتا۔“

”حالانکہ ہر شوہر گاؤ دی ہوتا ہے۔“
وہ چھلا کر آٹھی اور در جا بیٹھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے جھونمنا شروع کر
دیا۔ یاد رکھ کر صولدت خان کو حاضری کی احاجات دے چکا ہوں، کسی دم آیا
پہنچتا ہے۔

”وہ آیا اور سب سے سامنے گھسنے کے بل میٹھا گما مجھے اُس کی آمد کا علم تھا،
لیکن لا علم پتا رہا۔ چھروہ کھنکارا تھا اور میں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔
”کیا بات ہے؟“
”یا حضرت، ایک دشمنی میں پڑ گیا ہوں۔“ وہ ہاتھ جوڑ کر بولتا

”بیان کر۔“
”مجھے ایک نم پر ٹک بکال جانا پڑے گا۔ میں ہمیں جانا چاہتا تھا۔
”چلا جا۔۔۔ چلا جا۔۔۔ چلا جا۔۔۔“ میں نے ہاتھ ملا جلا کر
پر زور لجھے میں کہا۔

”یا حضرت!“
”عمرت، دولت اشرفت۔ عورت اور عورت اور کیا جانے تھے؟“
”عورت۔۔۔“ وہ جھوپچکارہ گیا۔

”ہاں، ہاں۔۔۔ عورت بنتی۔“

”مگر حضور، چار بیویاں تو پہنچے ہی سے موجود ہیں۔۔۔“
”اُن میں سے کوئی مر جھی تو سکتی ہے۔“

”سچ حضور“ دھن خدارت انداز میں اچھل پڑا۔
”ایسا چھر چاروں سرجائیں گی۔“

”نم۔۔۔ میں۔۔۔ ضض۔۔۔ ضض۔۔۔“ ضض جاؤں گا۔۔۔
”زلف بنسکال کچھ رہن ہے تھے، چلا جا۔۔۔ چلا جا۔۔۔“

”حکم کی تعیل ہو گیا یا حضرت۔“

”وہ طریق سعادت مندی سے میرے قدموں پر فوج کا اور فوراً رخصت
ہو گیا۔“

چھر میں نترن بالوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کی شکل دیکھ کر بلخیار
نشی کا گئی۔ اس پر ہی طرح دامت پس رہی تھی کہ ”کھر کر تر“ کی آوازیں جھرے
میں گوئیں گلی تھیں۔

”کیا تکلیف ہے تھے؟“ میں نے پڑھا۔

”میں تمیں مارڈا لوں گی۔“
”ہوش کی دو اک، تو کس سے باش کمرہ ہی ہے۔“
”ایک اول درجے کے احمد سے، آخر اس بکرا اس کی کیا ضرورت
تھی۔“

”میں بہت ضرورت تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جلدی سے ذائقہ ہو جائے
یہاں سے۔“

”تمیں اس سے کیا، اگر نہیں جانا چاہتا۔“

”اُسے جانا پڑے گا، زلف بنسکال اُسے کچھ رہنے ہے۔“
”خدا تمیں غارت کرے“ کہتی ہوئی اٹھی اور جھرے سے نکل گئی۔

ادھر میں سوچ رہا تھا کہ اب کام بن گیا۔ فرار میں آسانی ہو جائے گی۔ اگر صولات خان موجود نہ ہوا لیکن ہمہ میں دل ریا کی بھروسائی آنکھیں کیسے دیکھ سکوں گا۔ اس کی متقدم آواز کافروں میں کیسے پڑے گی۔ عجیب سی گدگیاں دل میں ہونے لگیں ایسا لگتا تھا جیسے مجھے اُس سے عشق ہو گیا ہے۔۔۔ لیکن ۔۔۔ میری مشیت ۔۔۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنے لئے عقیدت دائرہ اور سچوں نہیں دیکھا تھا اگر وہ میرے احسانات سے آگاہ ہو جاتے تو کیا سوچے۔ خدا نہایہ کس صیبت کا سامنا ہوتا ہے ایک بار پھر نترن بالو پر خصدا نے لکا۔ نسبجی ہیاں لاتی اور نہ اس کی نوبت آتی۔

دن گزار، رات آئی۔ نترن بالو نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور مجھے کی انہر ترقی کراؤ سے بدلنے پر مجبور کرتا۔ دنوں اپنی ملبوس پر سو گئے۔ پہنچنے نہیں کس وقت آنکھ کھلی اور یک لخت اٹھ بیٹھنا پڑا۔ نترن بالو تھی بیدار ہو گئی تھی وہ شور ایسا ہی تھا۔ پوری عولیٰ شور سے گونج نہیں بھی اور جھاگ دوڑ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی غیثم نے چڑھائی گردی ہو۔ نترن بالو نے پر بیڑاں کو آوازیں دیں، لیکن شاید وہ بھی درانے کے قریب موجود ہیں۔ تھا۔ نترن بالو اور یاافت حال کے لئے باہر نکل گئی لیکن میں جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔

بھوڑی دیر بعد واپس آئی اور لامپتی ہوئی بولی۔ ”بڑی بیگم کو سابنے دیں لیا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے چک پٹ ہو گئی۔“ میں سناتے میں آگے کیا صولات خان نے اپنی تیسری کافائتہ کر دیا کہ بیگھاں پہنچتے ہی تعداد پوری کردے یا پھر سچے بھی میں ہی کل جیسا کہ ہوں۔

خاموشی سے نترن بالو کی طرف دیکھا رہا۔ انتظار تھا کہ اب وہ کیا کہتی ہے۔

”اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنی زبان کو قابو میں رکھا کرو۔۔۔“

”میری زبان ساپ تھیں ہے جو کسی کو دس کرے گی۔۔۔“

”بانپ نہ ہو گی، لیکن اس کا کہا صرور پورا ہوتا ہے۔۔۔ میں دیکھتی ہی آہنی ہوں۔۔۔“

”اگر ایسا ہی ہوتا تو تم میں بولنے کی سکت رہ جاتی۔۔۔“

”فنوں بحث نہ کرو، چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ۔۔۔“

”اس سے کیا ہو گا؟“

”میں کہتی ہوں چپ چاپ لیٹ جاؤ۔۔۔“

”میں نے طوغاء کر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔۔۔“

بھوڑی دیر بعد میں نے صولات خان کے روئے کی آواز منی کسی سے رو رکر کہتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

”پیر دمرشد نے تو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ تم پر دوسرا غمہ ہی پڑے والا ہے۔۔۔“

”میں نے آنکھیں کھوں دیں اور دیکھا کہ نترن بالو اٹھ بیٹھی ہے۔۔۔ پھر“

وہ جھرے کا در دوازہ کھوں کر باہر نکل لگی تھی۔۔۔

”کیا آپ کو علم ہو گیا۔۔۔ در دوازہ کے کے قریب ہی سے صوک خان کی آواز سناتی ذی۔۔۔“

”بے حد انسوشن ہوا خان زمان۔۔۔ نترن بالو کی آواز تھی۔۔۔“

”کیا پیر دمرشد کو بھی علم ہو گیا؟“

”ان پر مرشد کی توبہ کرنے پر تمہاری بگردان اڑا دیتا۔“
”کیا بکتا ہے صولت خان؟“
”اچھا تو سن جائے۔“

یک بیک دتواروں کے طکرانے کی آداز آئی تھی۔ اور میں بھی لوگھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ نسترن بالو کی بُری خالت تھی۔ دونوں آنکھوں سے بیان پلود باتے ہانپر رہی تھی۔ دتواروں کی شپاشپ سنائے میں گونجی رہی، بالکل جمرے سے سامنے سمجھ میں یہ وقوع ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس نے اس کا بھی امکان نہیں تھا کہ ہم دونوں چکے سے مکلن اور حدھرینگ نہ مانیں چل دیں۔ بھل جخط ہو کر رہ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ اور صدر وہ عقل کی پتلی تھی کہ صرف اپنے جا رہی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تنفس کا دورہ پڑا ہو۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر صولت خان مارا گیا تو ہم بھی نہیں بچ سکے۔ صولت خان کی زندگی ہمارے لئے بے حد اہم تھی۔ دونوں کی گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ صولت خان کا مقابل اس کا بارادنی تھی ہے کیونکہ اس نے مر جو مر بیوی کے جھاتی ہونے کا سوال دیا تھا۔ ہو سکتا ہے اُسی بیوی کے جھاتی کا بھے سائب نے دس لیا تھا۔

میں جی کرٹا اکر کے اٹھا اور نسترن بالو کے پاس جا بیٹھا۔ اُس کی ترکھنی بندگی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھی رہی تھی۔ باہر سے دتواروں کی جھنکار ربار برآ رہی تھی، ان کے علاوہ اور کسی قسم کی کتنی آداز ساتھی نہیں دیتی تھی۔ کیا کوئی بھی ایسا نہیں حوصلی میں جو دخل اندازی کر سکے۔ کیا سب کو سائب سونگھو گیا ہے؟

”صلوت خان“ تیسری اور قطعی اجنبی آداز آئی۔ ”کیا یہ تمہارے پیرو مرشد کی اہل خانہ ہیں؟“

”بڑی بھاری بھر کم اور پچھل کا دینے والی آواز تھی۔“
”نہیں۔“ بحقرت کی غافلہ میں ہے۔
”دونوں ایک ہی جمرے میں بہتے ہیں؟“ سوال کیا گیا۔

”یہ غیر شرعی حرکت تمہاری حوصلی میں ہوئی ہے؟“
”ان باتوں کا کیا موت تھے؟“

”ہے کیوں نہیں؟“ گونجی اور غصیل آواز گنجی۔
”میں نے آنکھوں میں درہ کمر کے دیکھا۔“ نسترن بالو پلٹ آئی تھی اور پٹانی پر سیچی بُری طرح ہانپر رہی تھی۔

”خاموش ہو جاؤ رجت خان“ صولت نے سخت لمحے میں بھا شا۔

”خلافت شرع حرکت برداشت نہیں کر سکتا“
”یہ میری حوصلی ہے۔“

”میرے لئے سبک ہے کہ جہاں بھی خلاف شرع کوئی حرکت ہوتے ہیوں لوك دوں۔“

”جہاں پناہ نے ایسا کوئی حکم کسی کو نہیں دیا۔“

”صلوت خان“ میں بادشاہوں کے باڈشاہی کی بات کر رہا ہوں۔

”اگر تم میری مر جو مر بیوی کے جھاتی نہ ہوتے تو بتاتا ہا۔“

”کیا بتاتے؟“

”کیا ہو رہا ہے نترن بانو“ میں نے آہت سے پوچھا۔ اُس نے نچلا ہٹنٹ
دانستوں میں دبایا اور صرف لامپتی رہی مجھے اس پر ترس آئے لگا۔
”جنگ فیصلہ کو معلوم ہوتی ہے“ میں نے آہت سے کہا۔ ”اگر صولت خان
مارا گیا تو ہمارا کیا ہو گا؟“

”کہ... کچھ وہ بدقت بولی۔“ سوچ جلدی سے۔

”مری عقل تو تم خود ہی بنی رہی ہو۔ سوچنے کی عادت ہی ترک کر جائیں۔“
چھتو۔۔۔ چھتو۔۔۔ مارے گئے۔۔۔ وہ آگے پیچے چھوٹی ہوتی
بولی اور چھربے ہوش ہو کر ایک طرف دھلک گئی۔ تلواریں اب جھی چل
رہی تھیں۔

باہر تلواریں چل رہی تھیں اور اندر نترن بانو بے ہمکش پڑی تھی، ایسی
صورت میں میری حواس باختی کا کیا پوچھنا... وہ جو میری ولایت کا سرپرست
تھی خود ہی حواس کو جو کچھ تھی میر نے کیا تھا دیتا۔ اگر صولت خان مارا جاتا ہے
تو گویا اپنا ہی خانم۔۔۔ اگر جب خان کی آئی ہے تب جھی اپنی وہ ہوا انکھ
چکی ہو گئی جو پہلے بند ہی تھی، اگر میں ایسا ہی باکرامت تھا تو یہ جھگڑا انہی ہونے
دیتا۔ ابنی پر اسراز روت کر بردتے کار لا کر دونوں کو وہی طور پر مغلوج ہی کر دیتا
لیکن یہاں رکھا ہی کیا تھا اگر یہ عورت سر پر سوارہ ہو گئی ہو تو کچھ کا اس
پیچکاک سے سکل چکا ہوتا۔

”دفعتا کچی کی کراؤ۔۔۔ دی اور کوئی دھرم سے زمین پر گرا۔ این آواز کے
ساتھ ہی نترن بانو بھی اٹھ گئی اور بولی۔“ دیکھوں تو، کون گمراہے۔

میں ہسکا بلکارہ گیا۔ جھلائیکی بے ہوش تھی؟ اللہ رے عورت۔۔۔ کسی وقت
بھی مختاری سے غالی نہیں رہتی۔ شاید اس لئے یہ ہوش بن گئی تھی کہ میری یادیں
نهیں شناچاہتی تھیں۔ اب دروازے سے گئی اس طرح جھانک رہی تھی کہ بابستے
ویکھی نہ جاسکے۔۔۔ پھر تیری سے پلٹی اور میرے قریب پیچ کر آہت سے لوٹی۔

”اس طرح بیٹھ جاؤ جیسے مزاج قبیلے میں ہو۔“ رجب خان کو راہے اور صولت خان دم بخود کھڑا ہے اُسے آداز دا اور کھوکھ اندر آئے ہی ہونا مقدر تھا۔

میں نے سوچا پھر مل گئی کھوپڑی۔ بہر حال کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ مجھے ہدایت دے کروہ پھر اُسی گوشے میں جا بھی۔ میں نے اپنی آداز میں کچھ زیادہ ہی کوئی پیدا کر کے کہا۔ ”صولت خان! ہوکش میں آ۔۔۔ ایدرا جا۔۔۔ یعنی مقدر تھا، جو کچھ ہوا۔ اگر بادشاہ وقت بھی ہمارے خلاف کچھ سوچے گا تو اس کا بھی یہی حشر ہو گا۔“

”صلوت خان آہست آہست چلتا ہوا اندر داخل ہمرا اور میر مانے ساتھے وہنا رو بیٹھ گیا۔ اس کے پھر نے پرمو ایمان اٹھ رہی تھی۔“

”اب کچھ جبی ہوا ہے اس میں میرے اسادتے کو دھل نہیں تھا، پیرو مرشد!“ وہ بھراہی ہوئی آواز میں بللا۔

”اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ یہ مقدر تھا۔“

”لیکن اب کیا ہو گا؟“ بہن کو سانپ نے طمیں لیا اور جھائی میرے ہاتھوں نامارگیا۔ میں خطرتے میں پڑ گیا ہوں پیرو مرشد!“

”بیوی کی تدبیں کاسامان کر!“ میں اس کے علاوہ بھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ نسترن ہماز جھپٹ کر قریب پہنچی اور صولت خان سے پوچھا۔

”لڑکوئی آس پاس موجود تو نہیں تھا!“

”نہیں وہ سب دوسرا طرف ہیں۔۔۔ لہ کیا وہ ختم ہو گیا؟“

”مرتار کا ہاتھ مارا تھا، گردن شانے سمیت اُتر گئی۔“

”اب خدا کو یہی منکور ہے کہ ہم یہاں نہ رہیں!“ نسترن بالوں نے ٹھنڈی

ساش لے کر کہا۔ میں سخت شرمende ہوں۔ لیکن یہ نامکمل ہے کہ آپ مجھے اپنی ہی خدمت سے خرود کر دیں۔ اسی وقت اپت کو اپنی حاکم بر روزانہ کے دتا ہوں۔۔۔“

”یعنی مارپ رہے گا۔“ میں تسلیت دے لیا۔“ میں نے بھر جھوٹی کوئی کوئی کہا۔“ ایس سلے میں بوجھ جھی کر دیں گا، آب اس سے متفق ہوں گے۔“

”اپنکل پر جھوٹا کھان بن جاؤ۔“ میں نے اپنی خان چھڑائے کے لئے تھا۔“

”جس سبب ہے؟““ وہی ایسی حالت ہے کہ میں اس سلے میں بوجھ جھی کر دیں گا، آب اس سے رہتا ہے۔“

”کہاے دیتا ہوں۔“ وہ جلا کیا اور نسترن باور مراثا نہ ملکر بولی۔“

”یہ کیا کہہ گیا ہے کہ میں اس سلے میں بوجھ جھی کر دیں گا، آب اس سے پیغام ہوں گے؟““ کوئی بڑی رسم دے کر ہم اپنی حاکم پر جھوادے گا، اور کیا؟“ میں یہ سئے کہا۔

”بات کچھ میں نہیں آتی۔ تمہیں وضاحت کرائیں سے سچے متفق ہے۔“

”چاہیے تھا۔““ اس کے لئے اس وقت بیرادماغ تھا۔““ اس کے لئے اس کے لئے اس وقت بیرادماغ تھا۔“

”بھول کر کر جھوڑ دیا۔““ اس کے لئے اس وقت بیرادماغ تھا۔““ اس کے لئے اس وقت بیرادماغ تھا۔“

”یہ در بعد صولت خان دیں ایسا اور لو لا۔“ رحمن سارے سے پیرو مرشد!

”لیکن گاڑی یا ان کو وجود نہیں ہے۔“

”فکر کر صولت خان اس رھنے کے میں خود ہی ہم بیری حاکم بکار آئے گے جائیں گے۔“ میں نے بوجھ سے ہوئے کہا۔

”لیکن خصوص اس وقت ماحظ جھوڑ کر بولا۔“ میں اپنی چھوٹ سے خلدار جلد تکل خانا مانتا تھا۔

والست شہادت سے جان بھوٹی ورنہ کیا اسکی فائضی کی جانبے جائے کی طریقے
کر سکتا ہوں؟

”بُس کامیا جُسا کر جلے گے ہوت، کہ فاضی صاحب کا شانتا نہیں کر سکے ہے؟“
”تمیز... میرا ضمیر جو یہ سے قریب تر ہے اگاہ ہے۔ قدم پر پری
گر دن دبایا رہتا ہے۔
”بُس تو پھر میں سوئی ہوں، تم نیکھڑ رہو یلوں تو نہیں کہیں تو پچھی
جائیں گے۔“
”بُس احسان کر کے کی جو پر اگر سو جائے؟“
”ہرگز نہیں سووں گی، ارادہ بدلتا ہے۔“
”کیا تجھے کوئی بیشف ہوا ہے؟“
”ایسا بات نہیں۔ م پر اغفار نہیں رہا۔ مجھے رہ ہی میں سوئا چھوڑ کر بھاگ نکل
گئے۔“
”میں پھر نہ بولا۔ اپنی جھاتی بھی پر بخت نہ۔ میں دل بی دل تھا جدا کے
بھروسہ کرنا خوب اتنے کا کام ہے۔ میں آجاتے پر خود یہ بعد وہ بولی۔ میں سوئی نہیں
ہوں۔“
”مرد احمدی سے میرا بھروسہ تھا۔“
”مرد اگری نیک بخت اتحوچھو کر جا کا تو بھوکار جاؤں گا۔ مجھے کیا کے کر
لے شکتیں۔ اور بھیک بھی نہیں مانگ سکتا۔“
”میرا بنت تو تم مجھے نہیں ہی کر دے گے اور میرا اماں بھی بھساوے کے
سر کیں پھر لے لو۔ کہا بھی کیا۔ اس دست کوئی دلیل اس کے دماغ میں نہیں اور
سکھیں گئی۔ فیلے اس میں سکتیں کہیں کہیں اسے چھوڑ رہا جا کو سکتا تھا، لیکن
قل نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے جیسا آدمی بُس سے ایک مرغ ٹکک رہ جائیا جاسکتا ہو۔

”تو پھر تشریف لے چلے۔“ اس نے بڑے ادب سے کہا اور ہم دلوں کا شان
اطالیا۔ جو رے سے باہر نکلے اور اندر میں آنکھیں پھاڑتے گے عینی کے اس
حصے میں آئیں نام کی روشنی ہی نظر نہیں آئی تھی، ہم ترسی نہیں طرح باہر نکلے اور ہم میں پھر
گئے۔ میں رقص بانی جگہ بیٹھا تھا۔ میرا کر دیکھا تو صولت خان نظر آیا۔ میں نے ظندی
تالیں تے کر بیلوں کو سکا دیا لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ صولت خان
کی جائیگر کتاب ہے اور اس وقت تو میں بہت کا اندازہ بھی نہ لگا سکا تھا۔ اب جو صدر
بیلوں کا فرش تھا، المقرری روائی ہو گئی۔ نترن باؤ نیز سے پاس ہی پیچے بھی
ہوئی تھی۔ لیکاک میرا شانہ پھوڑ کر بولی۔
”کیا تمہیں اس کی جائیگر کا دار است علم ہے؟“
”راستے کیا تھی تو نام بھی حعلوم نہیں ہے۔“ میں نے ہواب دیا۔ ”لب پیچی
بیٹھی رہو۔“
”تم پاکل تو نہیں ہو گے؟“
”مجدوب۔“ ہم سے پاکل نہیں کھلا گئے۔ ادب طلاقت کو
ذرا موش نہ کر درنے سمجھتا ہے کی۔“
اس سوچ مجھے فراہم کئے گی اور میں چٹ جاں شناز ہو۔ اور بیلن
کی دلوں پر گردیاں کرتا رہا۔ پبل دوڑتے رہے۔ طریقہ خاندار جوڑی
تھی۔ آخر اس کی بجو اس سے نیک اکر بولا۔“ میں اس سے کس طرح رہ چکا،
جائیگر کا نام اور راستہ و کیسا صاحب کشف ہٹھ رہا۔ اسے معنوی سوالت
کر کے۔“
”بُس تو پھر بھٹکنے چرو۔“ میرا کہہ دیا۔
”نترن باؤ خدا کا شکر ادا کر کہ ہم اسی انسانی سے نکلے اتھے۔“

لیا اور ابھی بھی دیر میں جگل پرندوں کی آوازوں سے کوئی بخوبی لگا۔ اس کے بعد میں

” یہ تو ہم کسی جنگل سے گزر رہے ہیں ۔ نشن بارلوی۔“ یہ بھی لکھا۔

لکھا ” ہذا بندی اب تو خاصاً جالا ہو گیا ہے میں بلوں کو روشنائیں

نچے اتر کر دیکھ شاید چھٹھ کھانے کر جی ہو ۔“ تھیں جسے میں لکھا ہے اس کے بعد

” اچانکوں میں دھنی ہوں ۔“ میں بھی لکھا۔

لکھا ” میں نے بلوں کو روکا اور وہ یہے اتر کر رہے تھے جنگل کی طرف جیلی کی کوئی

اور میں دلوں میں ہوں ۔“ میں شاید اونچھی ہی کھاتا ہوں۔

کہ اپنک اُس کی کام پھاڑ دینے والی جیسی کوئی اور لوگوں کو رکھنے کے لیے اپنے

لشمن بازوتھ کے عقب میں زین یہ جاروں غلتی چھٹی ری ہی اور اس کے

حلق سے دری وری اوڑیں سکل رہی تھن کھست ایسی ہی بھتی جسے اسی قسم کی

دورہ پڑ لیا ہوا۔

” اس تھی کوئی بھتی جسے اسی کام پر کھوئا ۔“ اس کے بعد میں اس کے

اور سکر کر دیا ہوا۔

” اس کے بعد میں اسی کام پر کھک گیا۔“

لکھا ” وہ میں کی کھوئی تھی۔“ دیکھو ۔“ رہ رہ کے کے جسے کی جائیں باہر اچھا

بھوئی اور میں افسوس ہی دیکھ لکھا۔ اب اتنا اچالا چیل کیا تھا کہ وہ میں دوستے ہی

نظر آجاتی ہیں کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ پیرے اتحوں کے طریقے اُن کے

اور سرسری کرنے لگا۔

ایک ایسی لاش رہ کے شجعے حصے میں طریقی جس کی گزدن بائیں سالے

سیست کے کہ ایک طرف بھولنے ہی بھاگ۔“ ” وہ احمد کسر اما تھ

پکڑتے ہوئے بولی۔

” ہم اس ہونے کی ہرورت نہیں ورنہ مصیبت میں پیری کے“

میں نے کہا اور اس سے ہاتھ پھرا کر رہے فریب پہنچا۔ لاش کے ساتھ

اُس کا اما تھ کسی انسان پر کسے اٹھ سکتا تھا۔

بیل دورتے رہے اور میں انہیں بھاڑ جھاڑ کر دیکھنے کی کوشش

کرتا رہ کر کہ حرجاں ہوں۔“ ” کوئی کام نہیں کرے۔“ ” کوئی بعد وہ سوچا۔“ پھر دیکھو کہ میری ملکہ دھوکا سید کرے

بولی اور میں اچھل پڑا۔

” پیچ جنگل کھرے تھے کیا؟“ وہ روز سے بولی۔ ” ہرگز میں سرناکیں

بیل کی کھانی کھدیں نہیں ہیں کہ دیدہ داشتہ کی گڑھے میں جھلاںگ کا وادی ہے۔

” بیل ادمی نہیں ہیں کہ دیدہ داشتہ کی گڑھے میں جھلاںگ کا وادی ہے۔“

یہ شرف صرف ادمی کو ملا ہے۔“

” نہیں باتیں کتے جاؤ، ورنہ سوچاونگے۔“ ” میں اسی لذت میں ہوں۔“

” اسے کیا سوؤں گا، میں ہوئے والی ہے۔“ لیکن جھوک کے مارنے پر احوال

ہو رہا ہے۔“ ” میں یہ بنا بنا کر اپنے بیٹے کو مار دیا۔“ ” میں اسی میں

” پیرا خان سے رہ کے نچلے حصے میں صولت خان نے کچھ سایں رکھوایا

تھا۔“ ” ہر سلسلہ میں میں کھلنے پیسے کی حیزس ہی ہوں لیکن ابھی نہیں دوں گی۔“

” یہ جھوک ہے۔“ ” شب بیداری کی وجہ سے اکثر جھوک لبی ہے اگر لے میں

کچھ کھالوں بھنپی ہو جاتی ہے۔“

” میں داشت میں کر رہ گیا۔“ ” جن بلا سلطہ ہوئی جسی سر پر قدم فرم پڑے

کرو، وہ منت کر دو،“ اتنی کڑی نظر تو محیر پادر میرم نے بھی میں رہی تھی، اتنا

حکم نہیں چلایا گیا تھا۔ میں لمرکے کھوٹ بیٹا بیکوں کو مانجا تھا۔ اس ایک آدم

پرستے کی ادازتائی دیتے لگی تھی۔ ” گھری تاریخ ملکے اجائے میں شدی ہوتی جا

رہی تھی۔“ ” ہم واپس ہوں۔“ ” بدل گئی تھی۔“ ” اسی میں اخانت نہ رہے۔“ ” اسی

رہیں کھو دتے کے آلات بھی موجود تھے۔ میرے پورے حرم میں ہر چوری پر گئی، الیا لگتا تھا جیسے زیادہ درستہ کھڑا نہ رکھ سکوں گا۔

میں تیری سے نترن باروں کی طرف مٹا وہ پھرے بہت رہی تھی۔ میں نے اس کا اٹھ پکڑا اور رہ کی طرف چینے لکھا۔

”زمین نہیں... میں رکھ میں نہیں بیٹھوں گی“ وہ باہم چھڑا کے کرشنا کرنے لگی اور مجھے خفہ آگیز بروتی اٹھا کر رکھ میں ڈال دیا۔ ان کی اہ ذرا ری اور زیادہ بڑھ گئی۔ بالکل اسی طرح رور کر گڑا رہی تھی جیسے میں بخ بخ اسے مار داتے کا راروں کھا ہوں۔

”میکون ہری جاری ہے ہو تو شی میں نہ اور نہ کسی بڑی مصیبت میں پوس کے“

میں نے کہا۔ اور رہ تھا ان کی بیکر بیٹھ کر بیلوں کو آگے بڑھانے لگا اور کوشش کرنے لکھا کر طرح بھگل کے اندھنے کی تارہ بکل آتے۔ عامر لے رہا تھا طبعی منابع

نہیں تھا۔ میرا اضطراب آہستہ آہستہ کم ہونے لگا، لیکن وہ یہ متور ہجکیاں لے کر روئے جا رہی تھی۔

”شاری سکرای اور میں مار غافی دھری تھی تھی، اب کوئی پوچھا کر بی نترن باروں کیں مل کر ہرگئے تھے میں کی بتائیز رہوں کو ناقص العقل

محضہ تھی۔“

خداوند اکر کے ایک جگہ سے رکھ کو بھگل کے اندھوں نے کاموں ملا اور

وہ چھپنے لگی۔ ارتے ارتے اور کہاں بیدھے چلو۔“

سوائی سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھے وہ جگر رہ۔ میں نے جھنجکار کر کہا۔

”خُداوند اکس مصیبت میں پڑ گئی“

”اکس کے جی ہیں ٹری پڑی مجھے ہی دالا ہے۔ بہرے کر بیان بنت دی جو“

لکھنے لگا۔ پھر میرا دل میں اسی احساس کی تھی۔

پلن ماقول گئی۔ ”
 ”بہترتے اتر جاؤ۔“ میں تے راستیں پھینگ رہنیوں کو روکنے ہوتے کہا۔
 ”لیکن میرا کہنا نہیں مانو گے۔“ وہ چمک کر بولی۔
 ”لیکن تو ہرگز نہیں۔ میں سلان مرد نے کی جسی نہیں ہوتے دوں کا۔“
 ”جسے اچھے ہونا ہزا راتے ہے جس کے مکار؟“
 ”بنا آگیا ہوں۔ اگر تو ٹپک پڑتی تو اس تکلیف دہ زندگی سے کچھ کالا
 سکل گیا ہوتا۔“
 ”تواب بھی میرا کہنا مانو۔“ میں نے اللہ پر نہیں بلکہ الائچیں۔“
 ”تجھے اتنا رہے تو اتر جا۔“ میرے سفر ہوا۔
 ”وہ خاوش پرستی کیں اتر جائے کا ارادہ ہیں معلوم ہوتا تھا۔“ کبھی بھوئی
 دھمکی تھی شاید۔ میں تے ہرگز نہیں کو آگے لڑھا۔ اب اس نے بالکل ہی چپ
 سا وہی تھی۔ اسے ہٹ کر کوئی طور پر کوئی سکل اتنے کے بعد میں نے بیلوں
 کو چڑھا کا۔
 ایک بچھ جا ڈھی دوڑ کر عجیب رہیں ظرافتی اور اسی بھی فرم معلوم ہوتی تھی۔
 ”میں نے اتر کر کھدائی کے اور اڑا کاٹے اور قریب ہی کھدائی شروع کر۔
 دی۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات ہیں اسی پیٹ ماننے کے لئے ایسے بھیرت
 کا کر جھکتا تھا جنہیں مردی ہے تے تعبیر کیا جاسکتا تھا۔
 اُتر ایسی اُر لامبی چھیرت نے دیکھتے جا رہی تھی۔ میں خاہوشی بستے اپنے کام
 میں لگا رہا۔
 ”میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ تم کس نم کے آدی ہو؟“ اس نے خود ری دیکھا۔

کی تلاش میں نکلا ہوا اور اس وقت یہاں گدگی کر رہا ہوں۔
 ”باپ کی تلاش میں نکلے تھے، پہلے کبھی نہیں بتایا۔“
 ”ضورت میں پڑی تھی۔ اسی وقت ٹوام باتا۔“ دلوں یاد آ
 رہے ہیں۔
 ”ووچھ بھی تھا میں گوگا۔“
 ”ایس تو مجھے جھوک لگ رہی ہے۔“
 ”خواہ جواہ یہ درد سروں لے رہے ہو۔ دیے بھی اگر میرے اسے دفن
 کر دیا تو اس کے قاتل کی گزدن صفات بچ جائے گی۔“
 ”اس کا مقدر۔“
 ”لکھ سے اسات ہرم سردا موڑی ہے پیرو مرشد!“ اسکا جواب ہے۔
 ”تمہاری عمل سے اسے جرام میں بوٹ ہوا ہوں دہاں ایک اپنی
 عمل سے بھی سی۔“
 ”میں اسے لا حاصل کام میں بلکہ اپنے صیر کا لھاضا بھسا ہوں۔“
 ”وہ برا سامنہ بنا کر دوسرا طرف پھینگ لگی زم زم تھی اور میں تے جلدی ہی
 ایس کر کر اڑھا کھو دیا تھا اب مسلک تھا لاس کو رکھ کے بچ جائے کا د
 لے کیا تم لاش کو آتا نے میں بڑی مدد نہیں کر دیں گے؟“ میں نے کھد دیر بھر کے
 پوچھا۔
 ”میں تو ماڑھ بھی نہیں لگا دیں گے۔“
 ”میں نے دل ہی دل میں کہا۔“ جنم میں جاؤ۔ اور لاس کو کوئی نکلنے کی
 کوشش کرنے لگا۔ گردان لیے بے ڈھنگے پن سے کبھی تھی کہ تسری لگا رہ

کیا تھا اور اُسے سنبھالنے اور شمار ہو رہا تھا بدقت لاش کو زکال کر زمین پر ڈالا اور
چھڑ کر ٹھیک طرف لے جانے کے لئے جھکا ہی تھا لازم باخوبی جھلکتے مارکر
فریب آکھڑی ہوتی۔

”ھڑو۔ ھڑو۔“
میں سیدھا کھدا ہو کر اس کی سکل دیکھنے لگا اور وہ بڑی پھر سے ”دزارنو
بیٹھ کر لاش کی بامرتلاشی لینے لگی۔ میرے سارے جسم میں سردی لہر دوڑ
گئی۔ عجیب حالت تھی، پہلی بار لاش دیکھی تھی تو جنگ ناگزیر تھی جیسی ہی دیکھتے
ہی دیکھتے اس نے ایک ایسی چری چیلی بآمد کر لی جس میں سونے کی اشہرنیاں
محیں پرے سارے جسم سے خدا عظیم اللہ اپنے چھوٹ بڑا کسی دل گردے
کی حورت تھی۔

میں نے بدقت کیا ”یہ کیا کر رہی ہو؟“
”ڑ سے لوئی۔“ آخر اس کا تھا اور جالسوان جھی تو کر انایا پڑے گا۔ یہ
نیک کام اسی کے پیسے سے کیوں نہ کرایا جائے تو اب دونا ہو جائے گا
اور چھر رہ رہ فریب میں اس کے کس کام آئے گی۔

وہی عقول تھی، لیکن بے اختیار بھی جا کر منہ پر اٹھا بڑھ دستیکر
دوں۔
”خود کی ویر بعد جب لاش کو پس پورہ میں کر کے گڑھے کو پاٹھنے لگا تو
وہ لوئی ”زمیں بنا بر کر دینا۔“ میں نے کہا ”بہت ہی واضح قسم کی قبر بناؤں گا۔“
”ہرگز نہیں۔“ میں نے شہید نہیں ہوا کہ۔

میدان جنگ میں شہید نہیں ہوا کہ۔
لے کر تھے بات ہی کرنا غصوں ہے۔ وہ بات کاٹ کر بولی ”یہ پوری
ان لوگوں کو بھی دیکھ لیتا جو بستے ہیں ہوئی تھی۔ میں دو کر کے

چھڑھ تو اشترا فیں میں جا نے رات کو کہاں نلتے پھر تاھا۔
”تمارے مقدر کی عین ناچھر کوں نرتے پھر تاھا۔
”اب نزدیک جھر اس کی رٹ لگائے رہنا۔“
”لہر ترق بالا! آخر تو کس سی کی ہوئی تھی؟“
”بھکتی سی تھی تھی!“ وہ ہنس کر بولی۔ اب اس کے آنار سے ایسا علم ہوا
تھا جسے پھر ہذا ہی میں ہو۔ خود کی در خاموش شد کروٹی۔ میں نے اور جھلکی
شر لفے کے درخت دیکھ تھے جو جلوں سے لذت ہوتے ہیں۔ میں اور ہری
چار ہی ہوں۔ تم قریب بیٹھ کر فاتح چھو۔“

میں کھڑے بولا اور وہ شر لف توڑے جل دی۔ میں پیسے سے شر اور یو
رہ تھا۔ تھا کہ قریب کے فریب، یہ لیٹ گیا۔ ایسی حکم حکوم سہوری قی کر
لیں۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ اب کہاں اور کیسے رات گزرے گی۔ الجھن
ہر سے لگی تھا اور ایسی گھری رہتے اپنے کو نہ لگا مجھیا و آگیا تھا۔
گھری میں کچھ اگر بیان رہی ہوئی ہیں کیوں نہ ان میں سے کھوٹا کا کفر پر لگا دی
جائیں۔
خود کی در بعد تین دیناں اپنے کا نہ ہوں پر پڑے بڑھ کے ای طرف
آئے دکھانی دیتے اور میں ہر چوں کی طرح قریب کے قریب ہی بیٹھا گیا تھا۔
بنج کر دہ رکے اور حیرت سے انہر کو دیکھنے لگے۔ یہ مریری طرف دیکھا ہوئی
اتی تاتی نہیں رہی تھی کہ ان سے آنکھیں ہی لاسکتا۔ اس آنکھیں مند کیں اور بیچ
بیٹھے میٹھے جھوٹنے لگا۔ بند بول کی شکل تو پسلے ہی تھے بنی ہوئی تھی۔ میں نے
سچا، اسی طرح سوال و جواب سے بچ جاذی کیا۔ بھی بھی آنکھوں میں دو کر کے

دفعاتیں نے نشان بانوں کی افواز سی۔ اڑتے بد بخوبی اس طرح کیوں کھڑے ہوئے
شید میاں رجب شاہ کے مزار شریف پر فتح طریقہ۔

میں نے بکھلا کر سن گھن کھول دیں وہ تینوں نشان بانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔
اور نشان بانوں سے بولی۔ ”پر سایں بادرا دیکھنے کو لیا یہ تینوں دہنی تو نہیں میں۔“
میں نے بکھلا کر سوچے کچھے تغیرات نہیں میں سر نلا دیا۔ اُن تینوں نے کاموں
لئے طاقت ادا کی۔

”درو ہمیں نشان بانوں سے بولی۔“ تم طرف نوشن نصیحت ہو۔
کپرسائیں کے خواب میں آتے تھے اور پر میں نے بھی تین عواتیں میں
دیکھا تھا۔ تمنتے تھیں خوابت ہیں میں بتایا تھا کہ اس شید میاں رجب شاہ...
مدونی میں ہے۔“ نشان بانوں کی طاقت اپنے کام کر دی۔

اُن دیہاتی سرکلام بکھلا کر کہا کہ اس کی تجویز میں یہ بات ہمیں آتی۔
نشان بانوں سے بولی۔ ”پرسائیں کو خواب میں ہماریست ہوئی ہی کشمکش
میاں رجب شاہ کی تبریزی چڑھاؤں کیونکہ تین سو شان میں قبر میں کے
برابر ہو گئی۔“ میاں رجب شاہ تین سو شان سے شید ہوتے تھے اور
یہیں دن کے تھے جبکہ تم کو خوابات میں دھانی تگی ہی اور تم تینوں
ہیں میزو دھنے تھے۔ تگی سنت بتایا تھا کہ شید میاں اس بیگ دن میں
کوئی دیہاتیوں نے اٹھ زین پر دوال کیتے اور حکمت جنگ سکر ریاست ہاتھ ہوتی
کے۔ اور میں ایک بار پر اس عورت کی نازدرا اوجود ہٹڑی کا قابل ہو گیا۔
پھر دیہاتی اٹھے اور انہوں نے نشان بانوں سے کہا کہ وہ گاہوں والوں کو

اطلاع دینے چاہے ہیں۔ وہ چلے گئے اور میں سن گھن چاروں چہاروں نے نشان بانوں

کو دیکھا رہا جو انہیں میں بہت سارے شریفیں لئے کھڑی تھیں۔ اُس نے شریفیں
آگے دال دیتے اور بولی۔ ”لوگا واد اپنی تابوچوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ گاہوں سے
جلوس آئے گا۔“

سری تو زبان ہی کنک ہو کر رہ گئی ہی بس تھک کر اسے دیکھا رہا تھا۔

۰۰

”شریفی غوب کے ہوتے اور سیٹھے ہے۔“ میں تھے اس وقت کی جیسے سے
لذت اندر ہوئے کی سُدھہ کیاں تھیں۔ میں تو یہ سوچے جارہا تھا کہ ہر چیز دیا اس
حراہ نے رجب خان کی تین دن کے بعد سوچا تھا کہ اب کی طرف نکل جائیں گے۔
”تو نے اچھا ہیں کیا نشان بانو۔“ میں نے برقت کہا۔ میرزا براہ جھلا
بنتے کے لئے الفاظ ہیں مل رہے تھے۔

”بس بس سیٹھے رہو۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”دور ٹھوں کا سہارا کر دیا اور پر
کے کہا ہے، میں اچھا ہیں کیا۔ کن گاہ چاہیے ہے۔“ لاحرات کو کری
دی جی۔ پھر تھی کچھہ تھا اسی ہما المذاقین نے اپنی ادار کی قدر پرواق رہنے کے ہوئے
کہا۔ رجب شاہ تی نامہ رہ لایا جا اور کوئی نہیں سوچا۔ گردن کوٹے کی
”کون کی صیبیت اگی؟“ وہ شریفہ ملک کر بولی۔ ”اب آئیں گے تو محنت
کہنا شروع کر دوں گی۔ وہ بھیں گے کہ سیطھ بھی ہیں کہا ہو۔“ وہ غلط سمجھے ہے۔“

اس چھاتے پر اس کے فلاہ اور کیا کہ سکتا تھا کہ اسے اچھس چاہا کر
دکھا۔ سرہ میں کا حل توک زبان ترکار تھا۔ چارے انہاں پر شریف
بڑھا۔ رہی پھر اس طرح پڑھ کی خسے پھر یاد کیا ہو۔ مچھے غزرے پوچھی رنی
اور بولی۔ ”اب اسی مغلی نہیں ہو گی۔“ میں بھی اسی میں کھڑا تھا۔

حہ کی غلطی میں اپنے نو شش ہو کر پھاٹکوئے پہلی بار کی غلطی کا اعتراف کرنے
جا رہی تھی۔

بہت برا سامنہ بنا کر بولی۔ "اب ہر ایک کوہی بتاؤں گی کہ تم پر اسے سوہنہ
ہوئے۔

میں اچھل پڑا اور خوفزدہ نظر تو سے اسے دیکھنے لگا لیکن وہ چھر بھکار کر شرف
کے بیچ لکلنے میں صروف ہو گئی تھی۔

"خدا سے طرف نہیں تو تم کب سے میرے سورہ ہر چکے ہوئے۔" میں
میکہ رہی ہے۔

"یعنی گروہ تھاری عیموں جیسی سکل پر زخم اٹھاتے ہے وہ کسی بھی بیان کا حجج
میں لا جائیکی ہوتی۔"

"اویں دل میں یہ بے ہو وہ کو اسیں ہیں من سکتا۔" میں ایسا کہا۔
"چھر تم کیا جاہتے ہو کر دوبارہ نئی رجت خان سے ملاقات ہو جائے
اپنے کامی خواہ دیتا، دم بخورہ گیا۔ ملکتی تو چھر بھی ہی بھروپ
تفصیل کا درس ادا ہو اختر میں کامہ رہا۔ ایک کی آنکھ میں کامے کی طرح گھکتی ہے
باشیں۔ اسی دل میں یہ بے ہو وہ کو اسیں من سکتا۔"

ایں دل ہی دل میں پڑا۔ رگوار کی سان میں گستاخان کرنے لگا۔ ایسے
ہی روپری سے طرف نہیں دیا گئے تو اپنا ہی جیسا ایک اوڑکوں پر لکڑی دیا خود
تو زوجہ کے درسے روپیں ہو گئے اور مجھے صدیت میں ڈال گئے۔ پس میں وہ
کوئی سی مذکوس گھٹڑی ہی۔ جب میں تھاری طاس میں نکلا ہوا۔ کیا ضروری حاکم
بیٹے کا مقدر اب اپ کے تقدیر سے بھی زیادہ غرابت لکھتا۔ تھاری تو مشکو خد

تھی بادا جان۔ محمد بن جوہا الحجاج کی زوجہ مناطق ہو گئی تھی۔ اب کیا کروں؟
"میسا سوچنے لگے... ۰۰۰ وقت وہ بولی اور میں چونکہ پڑا۔
یہاں پہنچنے کا دیکھ رہے ہو۔ مصلیٰ لکھا۔ میں چاہتی ہوں کہ جب کاؤں واٹا۔"
وضرور کے لئے یا انہیں نہیں نہیں تھے میں نے مردہ شی آواز میں کہا۔
لما فیض گروی۔ بہا۔
بچپن رای ڈھونگ بھی رچانا پڑا۔ ڈھونگ یوں کہہ رہا ہوں کہنا کا دفتر
نہیں تھا۔ اب اس سے ڈھونگت ہیں لیکن کے بخدا رکھنے کا ان زاف میں مرف
بہر حال یعنی بواہم نماز میں صرف وفات تھے کہ ناداری بیتی تو ان اٹت آئی اور
جس سکت ہم نے سلام میں پھر دیا۔ قبرستان کا ستان خارجی رہا۔ وہ اپنے
میں سرگوشیاں سکت نہیں کر سکے تھے۔
سب سے پہلے بڑا گے بڑا تھا، کاڈل کا مکھیا معلوم ہوتا تھا۔ ملے
پائیں "حضرت بیتی میں تشریف تھیں۔" اسے بعد سلام اعلیٰ اور بیت
دل عرض کیا۔ اسی دل عرض کیا۔ اسی دل عرض کیا۔ اسی دل عرض کیا۔
اپنے نہیں الجانی صاحب تھے۔ زیرشان بالوقت اسے لوئی۔ "بھیں حکم نہیں ہے
کہ شہید میں عجب شاہ کا استانہ چھوڑ کر کہیں اور جاپیں۔" ایسے
چھپوڑیے تو لکھا ہوا بھکل ہے۔
"پوکرے۔" میں کیا نکھرے۔ پیدا کرنے والا ہر جگہ موجود ہے۔ بیت
ہو یا بھکل۔
"تو چھر میں ابزار دیجئے کہ تم فی الحال یہاں ایک کٹیا ہی بناؤں۔"

کہ اُپن میں کسی خوش شکل اور دلاؤیز بھی تھیں اور شیطان برد و دے کے جنگل میں بھی۔ پہنچا ہمیں چھپڑتا تھا۔ وفتائیں نے نسترن بالو کو لکھتے سننا۔ نہیں نہیں۔ ان کے پاس جانے کی ہت تکرنا دادہ کوئی رنگے سیاڑھیں میں برع صح ففار سیدہ ہیں۔ ناخرم عمر توں سے گزوں دور رہتے ہیں۔ تم ان کی دیست بوسی ہرگز نہیں کر سکتیں۔ کوئی اور نہیں۔ حضرت شاہ الاحسن چاچا کوچی ہیں۔ انہیں ہاتھ لگانے والی عورت جل کر ہیسم ہو جاتی ہے۔ مجھر حضرت شاہ لولوی کی نظر کرم تھی کہ ان سے شادی ہو گئی۔ اے بی بیا میں بلخ کے لکھ التجار کی بیٹی ہوں۔ شہزادیوں کی زندگی بر کر تھی۔ کہ ایک بات میرتے باپ کے خواہیں میں حضرت شاہ لولوی تشریف لے آئے، فرمایا نہ کس کے لئے رخصت سفر باندھا اور اپنی بیٹی کو بھی سماق لے۔ ہم نے اس کا پیوند تلاش کر لیا ہے۔ اور حضرت انہیں ان کا نام لیا اور بہت تایاں پھر کیا تھا یہ میرے بابا نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ حضرت کاظم کیے ہمال سکتے تھے ہم بڑی دخواڑیوں پر ہمہ پہنچے اور انہیں تلاش کیا۔ لیکن یہ تو اپنے ہوش میں نہیں یقین رشتے کی بات کیسے ہوتی۔ میرے بابا بخت پرشیان ہرگز داسی راست حضرت شاہ لولوی کی نیازات پھر عام پرویا میں ہوتی آپ خدا نے فرمایا کہ الاحسن مجدد کا مل ہے اسے نیم بکے درخت کے شاخے باندھ کر نہیں ہی کے ڈب دے سے پیٹھوں ہرگز نہیں ہیں اجاتے گا جیسے ہی ہوش میں آئے میرے ہوالے تھے شادی کا پیغام دے دو۔ میرے بابا بیدار ہو کر بخت پرشیان ہرگز بے کتاب کیا کریں۔ پھر سچا کچھ بھی ہو حضرت شاہ لولوی کے حکم کی تعیین صورت کوئی چاہتے پکڑ لایا حضرت الاحسن کو اور تندھو دیا یا نہ کے پہنچے اور پھر حزم ہی اور میں تھیں۔ میرے کچھ سچا کچھ اپنے کیا۔ اور میرے سب اس کے سامنے نصف ذارے کی نسل میں پھیل کریں۔

”بے سے پہلے مزار شریف پر فاتح پڑھو۔“ نسترن بالو کو کاک کر کریں اور ان بے چاروں نے میم کر فاتح کے لئے اپنے اٹھا دیئے مجھے درخواز کیں میری، مسی نسلک جاتے۔ کیسا دادہ لوگ تھے فاتح کے لئے کوئی خارجی میں مکھا سے پوچھا۔“ ماں تم کیا کہر سے تھے؟““ میں یہ عرض کر لے تھا بی مسامحہ کو عارضی طور پر بیان ایک بیان نہیں جانتے۔“ اس میں کوئی عصیانی تھا۔“ نسترن بالو کے کہا۔“ اسے کوئی خارجی میں مکھا سے سارے ہی دیباتی کام کرنے پر آمادہ ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی کلتنا تباہی تو گئی۔ میں دل تھی دل میں عرش عشق کر رہا تھا۔ ساختہ ہی اس خجالتے دم بھی مکمل رہا تھا کہ راتتے اس دیرائے میں نہاگزاری ٹڑپے گی۔ یہ کیا سوچی تھی اسر عقل کی پیٹ کو۔ آخرتی میں ہا۔ بے تیام کرنے نے اپناف ق طلاق شدہ نہیں اس کی قریبیت میاگ لوز خالی دھر خیال آیا کہ میں مجھ سے ان مقام نہ لے رہی ہو۔ آخر میں نے بھی اداے مذگ کی دال اور نیان جوں بھگتا دی تھی۔ ضمیر ہی ضمیر کچھ دیر کے بعد مردوں کی لوی رخصت ہو گئی کوئی بخوبی عورتوں کی بہت بڑی کوئی بخالی دی تھی۔ میں کے دل سی دل کا۔ اب خیرت بنت نہیں۔ وہ چاہوں چاہوں ہو گئی کہ کافلن کے پڑو سے بھٹ خالی گے۔“ آہ اللہ شریف۔“ غورتوں نے نسترن بالو کو گھیر لیا اور اس کے ہاتھ ناؤں حسے لکھ۔ وہ یاد از یمند انہیں دعائیں دلے رہی تھی۔“ چورہ سب اس کے سامنے نصف ذارے کی نسل میں پھیل کریں۔ اور میں تھیں۔ میرے کچھ سچا کچھ اپنے کیا۔ اپنے کیے مارے سد کر لیں۔

کے ہی ذہن سے پٹائی ہوئی ہے توجہ ہوش میں آگئے، بابا نے بڑی صرفت سے شادی کا پیغام دیا اور حضرت شاہ ندوی کا حکم سنایا: دلوں ہاتھوں سے سرختم کر بیٹھ گئے، پھر ایک زور کا غرد لگایا ۔ «منظورِ نظر» اس کے مدرسی حالت جذب کافور ہو گئی تھی۔ شادی کے بعد تین روز تک محبک ٹھاک رہتے تھے اور پھر عالمت جذب طاری ہو گئی تھی۔ اچھا بیٹا بیٹا بیٹ جاؤ۔ چولنا ہاڈی بھی کرنا ہے بھے۔

مارے نہیں حضرت بی بی ۔ کسی نے کہا ۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ تکلیف کریں گی۔ کھانہ ہم پکا کر لائیں گے۔

اسے اس کی مزوفت نہیں۔ اپنا بھرہ خود ہی اٹھاتے ہیں، ہمارے لئے ہی سمجھ ہے۔

ہاں ہاں اور نہیں نہیں شروع ہو گئی، بڑی مشکل سے وہ بیچارا نہترن بانو کو اس پر آمادہ کر پائی۔ ہیں اور وہ جب چلنے کو ہوئیں تو انہیں رُوكت کر ابوی، ایک ضروری بات تو رہ ہی گئی ہے۔ میرے لئے تجدیل چاہئے پکالانا لیکن میاں صاحب ہو گئ کی تپی دال اور خشک روٹیوں کے علاوہ افر کھم نہیں کھاتے۔ اچھے کھانے ان کے ساتھ آتے اور یہ رُوتے رُوتے ہو شہر ہوئے رُوتے جلتے ہیں اور آہن کی طرف منہ اٹھا کرتے جاتے ہیں۔ «اَنَّ اللَّهَ كَيْأَنَا بَيْضَانَ كَوْمَنْ كَحَانَ كَمَلَاتَ بَيْضَانَ كَمَلَاتَ بَيْضَانَ» میاں کیا تو اپنے بندوں کو مرغیں کھانے کھلاتا ہے جو میرے لئے مجھوایا ہے۔ ماک! مجھے فہری چاہیے جو زیادہ تر لوگوں کو نصیب ہے۔

کتنی عورتیں یہ سن کر رُونے لگیں اور میں تو دل ہی ذل میں نہترن بانو کے ہنپڑ پر طباچے بارہ رہا تھا۔ چوپیاں پکڑ کر اینٹھر رہا تھا اور گلا گھوٹت رہا تھا۔ مردار، نے کیسا خوف ناک بدھ لیا ہے۔ خود مرغیں اڑاتے گی اور مجھے منگ کی تپی دال

نشک روٹیوں سے کھلوائے گی۔ اچھا نہترن بانو تو بھی کیا یاد کرے گی میں دیکھوں گا تجھے۔

وہ چل گئیں اور میں نے آنکھیں کھو کر رہا تھے فہر آؤ نظر وہیوں سے دیکھا۔ وہ دل جلانے والے انداز میں ہنس پڑی اور بولی ۔ «نارا من ہونے کی ضرورت تمہیں حضرت شاہ چاچا کوچی تھا اور تاریخ لندن کر رہی تھی ان لوگوں کی نظر وہیوں میں۔

ہاں ہاں میں بھٹاہوں میری خدا رسیدگی کے تصدیق سے پڑھ پڑھ کر انہیں ٹھاکتی رہتے گی۔ نہترن بانو اتنی اچھی چھلا گئ تھا لگاؤ۔

«بن ہم سیچھ چھوٹتے رہوں ہمیں کیا کرنا چاہیے تھا ریشتہ تو چھے جگتی ہے۔ خدا کو کیا مدد کا نہتے گی۔»

بڑھاتی میں بہت اچھی بن جاؤں گی، تم دیکھ لینا۔

عُصَمَةَ كَيْأَنَ زَيَادَةَ كَيْ بَنَ وَجَهَتْ سَيِّدَ زَيَادَةَ بَنَ اَنَّهُ جَارِيَ هَيَّاهِيَ جَارِيَ هَيَّاهِيَ بَنَجَھِمِ مِنْ نَمِينَ آرَهَا تَحَاكَرَ كَيْ أَكَرَ طَالُونَ۔

وہ لوگ گُلیاں بنا گئے تھے، تھوڑی دیر لند دو آدمی بیلوں کے لئے جارہ اور پانی لاتے ہمارے بینے کے لئے۔ ہمیں یانی کا استظام کیا اور لڑائی گئے۔

لبس دیکھتے رہو یہ وہ سکر اکر بولی۔ پچھے دنوں کے بعد اس لٹیاکی جگہ ایک عمدہ سی خال قاہہ بیٹی ہو گی۔

نہترن بانو فریب کاری بہت دنوں تک نہیں حلتی میرے اور اپنے حال پر رُک کھا۔

یہ کر رہی ہوں میاں چاچا کوچی۔

لبس اور حصہ نہ دلا۔ یہ تو نے میرے نام میں چاچا کوچی کا کیسا اتنا بکر دیا ہے۔ چاچا کوچی کیا بلاتھے؟

”میں کیا جاؤں؟“ وہ بڑی مخصوصیت سے بولی۔ ”اس وقت یہی زبان سے نکل گیا تھا۔“

”اویری حضرت شاہ نو لاوی کون ہیں؟“

”این تم بخ کے اس امیر العمار کام جبی لوچھو گئے جس کی میں بیٹی ہوں۔“

”خدای عزت کرے“ میں دانت پین کر رہ گیا۔

بہر حال رات کا کھانا اس نے مزے لے کر کھایا تھا اور کئی ہزار تیس بے کھلاتی پلاپی بڑی تھیں۔ کھانوں کی خوشبو صحبت ہی پیچ رہی تھیں اور میں شدت سے بے چین تھا۔ کئی دنوں سے ڈھنگت کیے کھانے کو ترس گیا تھا۔ پہلے جھی تو اس کی خدید میں موٹا جھوٹا کھاتا رہا تھا۔ تو مرنے اور پلاو کی خوشبو باچھوں میں پانی لانے لگی اور میں تھوک کی بچکاریاں مارتا رہا۔ وہ ان بخوبیوں سے کہ رہی تھی۔ ”نیں میاں صاحب تو اس وقت کھاتے ہیں جب تھد کے لئے اٹھتے ہیں پرانی نہیں کھاتیں گے، عبادت میں خلی طرفے کا۔“ غصے کے نارے ہیوش

ہو جانے کو میں چاہا، لیکن ذلیل چجز کے بیٹھا جھومنا رہا۔ اسے اپنے ملکے سے بیرون کے ساتھ رکھ لے دیا گیا۔ اسے تھوک کیے ساٹھ رخصت آن بخوبیوں کے ساتھ رکھ دیا گی۔ آنے کے بعد جو اسی کے باہر گھری تاریکی تھی۔ اس نیشن کی کچی نہیں ایک حرکت اور کی تھی۔ میل گاڑبی سلوں سیست گاؤں بھجوادی تھی اور کہہ دیا تھا کہ جب صدرت ہو گی منگوالی جائے گی۔ معنی فراز کا فریمع جھنیشم کر دیا تھا۔ اب میں ایسا کہاں کا دلیر تھا کہ ایز جھیری رات میں بیدل اسکی جگل سے فراز ہونے کی کوشش کرتا۔

گاؤں والیاں نترن بالو سے بجا ہوا اچھا کھانا سببیت لے گئی تھیں اور

میرے ملئے موہنگ کی تیکی دال اور دو عدد چوکی موٹی روٹیاں ایک گوشے میں رکھی گئی تھیں۔

میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ نترن سے بات بھی کروں لیکن وہ بھی سی دھکا دے کر ”امحمد اللہ“ کہتی ہوئی بولی۔ ”میاں صاحب! اب تم بھی روٹی کھا ہی لوتے۔“

”تو نے یہ سنا تھا۔ اپھا نہیں کیا؟“

”اب میں کیا کروں اس وقت زبان سے نہار کرنے والے موہنگ کی دال اور خشکت روٹیاں ہی پھسل گئی تھیں۔ میں کرنے بھی کیا۔ کھاتے ہی بھی اتھے تھے، یعنی یاد رہا اب غوری سنتے اللہ والے اپنا بیان بدالا نہیں کر سکتے۔“

”جھوک لے گئی تو اچھا کھا دے گے۔“ اور ایک کنارے پر رہی۔ اس کے الہیناں پر میں خیران تھا جگل کے ساتھ اور ستارے کی میں بھی خوف دو۔ وہ نہیں معلوم ہوئی تھی۔

بہر حال وہ دلائی دیزیں غرامی لینے لگی اور میں بیٹھا اپنی تقدیر کو روزتا رہا۔ بیمار بیمار، بھی چاہتا تھا کہ احمد مراد اس کا گلا گھونٹ دوں۔ جھانت بھانث کے جا لوزوں کی آفازیں رات کے ساتھ میں بڑی جھینکت گلت اور میں تھیں ایسے میں نہیں۔

تمہارا پیٹ کی آگ اگت بھلستاے دے رہی تھی۔ جھوک جب تاقابل ہوا شد

ہرگئی تو اچھا اور جھنکت مار کر پلنی دال اور خشک روٹیوں سے سمجھوئے ہوئے۔

دوسری صبح ناشستے میں پھر ترمان آیا تھا لیکن مجھے کیا میراث نہ تھے تو

وہی جھنک روٹی تھی میں پر قبوراً اسماں بھن رکھ دیا گیا۔ تھا۔ وہ حرف، اللہ حلا

پڑا۔ اٹھے اڑا۔ زہری تھی۔ ناشستے کے بعد گاؤں کی عورتیں اس لشکر کی متین کرنے لگیں کہ

۸۲
 کو یا پوچھا شروع ہو گئی تھی۔ آنکھیں کھوٹل کر جس کی طرف بھی دیکھ لیتا وہ خوشی سے
 پچھوڑانے سما۔ کیسے ضعیفۃ الاعتقاد لوگ تھے بساۓ کے سارے نو مسلم معلوم
 ہوتے تھے۔ بنادھو پرستی اور برہمن پرستی کی غربہ سورہ قرار تھی، صونیا کرام اور اعلیٰ اللہ
 کی کوششوں سے کلمہ کو تو ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے اپنے فرازِ حق میں کوئی تھاں نہ
 کی تھی جو خطشوں کے لیے سنار پرچڑھے علم الکلام کے مینڈ ہے لہا ایکرئے تھے اُنہیں
 کیا پڑی تھی کہ برہمن پرستوں کو سیدھی راہ دھاتے یونہجہ برہمنوں کا کردار تو
 اب خدا نہیں ادا کرنا تھا۔۔۔ بات تیری نترن یا نوکی۔۔۔ خدا بھجے غارت
 کر دے، کیسے کیلے فاسد خیالات کی آمیجگاہ بن کر رہ گیا ہوں۔ مجھے کیا لیتا ہمہوں
 سے یا کیا دینا پچاریوں کو۔۔۔ میں تو اپنے غداب میں گرفتار تھا۔ اب یہاں سے
 یونہجہ کھلا کر اس ہو گا۔ خداوند این کیا کروں اب تو نترن یا نوکی عدم موجودگی میں
 بھی فرار نہیں رہ سکتا ہے کیونکہ ہر وقت مزار شریف پر دوچار عقیدت مندر
 سر جھکاتے ٹھیک نظر آتے۔۔۔
 بھی بات ایسی صرف ایسی گاؤں تک محدود نہیں رہتی تھی۔۔۔ گردوانے کی
 دوسری بستیوں کے لوگ بھی آئے لگے تھے۔۔۔
 آج شام کو گاؤں سے واپس آئے کے بعد نترن بالوں کی قدیمیکار نظر آ
 کر رہی تھی۔ میں نے موسویں کیا لیکن استفسار حال کی مصروفت نہ کھلی اور شاید وہ
 موقع کی منظر تھی۔ بات کے کھانے کے بعد چاروں طرف ناٹا بھاگی اُنمیرے تیریں
 آئی اور جھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔۔۔ طرا غفتہ بہ گیا۔۔۔
 ”بھاگ اور بھاگ اور بھاگ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔۔۔“ میں نے
 کہا۔۔۔
 ”مسجدی گی سے سنو۔ صولت خان ماں اگیا۔۔۔ رجحت خان کے بھائیوں نے

وہ ان کے ساتھ گاؤں چلے جب وہ کہے گی اسے یہاں پہنچا دیا جائے گا۔ مواری
 کے لئے پاکی لاتی تھیں۔ نترن تو دل سے یہی چاہتی تھی کہ کچھ اسی قسم کا کام دیا
 جل پڑے۔۔۔
 بُرے ٹھے سے پاکی میں بھی تھی اور جل دی۔۔۔ اور میں آنکھیں بند کئے
 اُو دل کی طرح جھومنتارہ گیا تھا۔۔۔ چر میں نے تھیہ کیا کہ اس مردود عرضت کی
 ہوا خود اکھاڑوں گاہ انواعِ بھجے مذکور کریں ہی کیوں نہ کھانی پڑیں۔ میرے
 لئے تم بخت نے بھی بنتے کا سامان ہوئے دیا تھا اور نہ لذت کام وہن کی
 بات بنتے دی تھی۔۔۔ بُرے ٹھوں کو دُر دار اتحاد کوہ تبرے قرب پختے ہی جل کھیشم
 ہوا جائیں گی اور کھانے میں مونگ کی دال۔۔۔ خداوند میں کیا کروں۔۔۔ دو میں
 بار سر پر دو تھر مارے اور چھٹا نہیں بند کر کے ھوئے لگا۔۔۔
 اُن کچھ درج بعد کسی بیل کاڑی کے پتوں کی چڑھ چھو سستانی دی۔۔۔ کہیا
 سے جھاہک کر دیکھا ایک بیل کاڑی پر اٹھیں لدی جلی آسی، میں کچھ مزدور
 بھی ساچھتے از شاید وہ تکھیا کا ایک طازم تھا، جو انہیں کچھ ہدایات بھی دیتا
 جا رہا تھا۔۔۔ چھرات سمجھ میں آگئی۔۔۔ قرکوچہ کرنے کا اہتمام کیا جا رہا تھا، وہ
 ریسے احقر شاید نہیں تھیں ہی کہ رہی تھی یہاں خالقہا مزدوروں نے کی
 مزدوروں نے کام شروع دیا اور میں انہیں بند کئے بیٹھا جھبٹا زار، لیکن
 نترن ہاڑ کے خلاف غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں نہیں لے رہا تھا۔۔۔ عجیب
 سی بیسی اس پتاری ہو کر وہ گئی تھی۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہی وہ کسی ہزار پاکی
 طرح میری روح تک سے چلت کر زندگی ہو۔۔۔
 وقت گزر تارہ۔۔۔ قرکوچہ سرگی اور دہان ہر وقت ہی کوئی بُرے کوئی وجود
 نہیں رکا۔۔۔ بھرعت کو ناما قاعدہ فاحش خواہی ہرتی اور لئکھ سقیم ہوتا اور سیری

اپنے قتل کر دیا اور انہیں اپنے بھائی کی لاش کی تلاش ہے۔ ”بھائی میرزا نے
”ہماری تلاش میں تو تمیں ہیں“ میں پوچھا کر بولا۔

”بھائی جانے۔ حکمگرا تو ہماری ہی وجہ سے ہوا تھا۔“

”لیکن مجھے کیسے علم ہوا۔“

”جگت پور کے ہاگیردار کا ایک کارندہ گاؤں کے سکھیا کے پاس آیا۔
تما۔ اسی نے بتایا ہے۔“

”ہمارا ذکر تو نہیں کیا تھا۔“

”الب کیا ہو گا تو“

”پہنچت نہ چھوڑو۔“ تو میرا شاندھیک کر بولی۔ میں تو خوفزدہ ہوں۔
پس مکل اتنا کہ دل کی کر صولت نے خان اُنکے رہتو طرف اک چور کر کا دوں گی
اور بیلوں کو راہ خدا خیرات کر دوں گی۔“

”ہاں ہماں اُس کی روخ کو بھی تو کچھ ڈالتے پہنچانا چاہئے۔“ میں جلدی سے
بللا۔

”لیں اب بہت احتیاط لے سے زندگی بسکرنی طریقے کی۔“

”بیوں تو کہا ہوں کسی طرح ہیاں سے تکلیفوں پر نہیں کب دکون اس
ہماری طرف انگلی اٹھا دئے۔“

”چپ چاپ پیٹھر ہو کیا بھتھر ہو جائے ہی دلوں میں گاؤں
والوں پر ایسا سکتے بھایا ہے کہ ہماری طرف یہ رحمی نظر بے دیکھے والا زندہ نہیں
روہ سکتا۔“

”یہ گھٹ گھٹ سی آدیزیں“ اللہزادہ نے اکاڑہ پھٹکانے لگا۔

”مزار شریف“ کو نہ صرف پختہ کو دیا گیا بلکہ اُس پر گلکاریاں بھی کی جائیں۔ ساتھ ہی جگہ شریف کی تعمیر بھی شروع ہو گئی تھی۔ نہ تن یا نو ہر وقت
بندہ عابز پر اپنی حکمت عملی کی دھوپیں جما تی رہتی۔ اُسے لقین ہو گیا تھا کہ
اپ میں فزار ہونے کی کوشش ہیں کر دن گاکیوں بکر دن بھر تو میرے پاس
گاؤں والوں کا شمع لگا رہتا تھا اور روزات کو وہ خود پر پہلو سو جاتی تھی۔

ادھر ہو گیت کی پیلسی والی افریخ کا ریویو نے میرا حلیہ ایکا کو کر رکھ دیا تھا۔
چھرے کی چمکتی ایک جاتی رہی تھی سنہ۔ اور وہ جی کہ نجھرتی ہی جاتی تھی۔

”اکیلات غزل سے میری طرف دیکھتی ہے اور بولی“ تمناری عمر
چالیس سال ہے نا؟“

”مجھے سہنسی آگئی۔“ جب بھی بولے گی، یہ تکی ہی بولے گی۔“

”لپٹا۔ اس میں سہنسی کی کیا بات ہے۔“ چڑھ کر بولی۔“

”کماں کی ہانک رہی ہو۔“ میں تو ابھی میں کام جی پورا
نہیں ہوا۔“

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو لوگوں کو تمہاری عمر چالیس ہی بتاتی ہوں۔"

"اور وہ تین کر لیتے ہیں؟"

"کیسے تین نہ کریں گے۔ یہ تو تمہاری کامت ہے کہ چالیس سال کے ہونے کے باوجود بھی میں سے کم کے نظر آتے ہو۔ میں یہ دارجی بھی کسی طرح جلدی سے بڑھ کر ہو جاتی۔"

میں نے ٹھنڈی سائیں لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایں طرح منہیں بناؤتے ہے ہوئے" لترن بناؤنے والی پیٹ کو پوچھا۔

"ترست کو روراہ ہوں۔ میں لیا تو کیا سوچے گا؟" اس کی سوچے گا؟" میں نے بھجنلا کر پوچھا۔

"یہی ترستے ہیں ولی اللہ ہو کبھی ترست کو کوں رشیتے ہیں، لیکن میں پوچھتی ہوں کیا تمیں شرم نہیں آتی۔ میتھے بیٹھے کی کھانے ہے ہو اور شاکری کرتے ہو۔"

"مونگک کی تیلی دال اور سوکھی روٹیاں کھا کر شکر کس بات کا کر داں؟" وہ توجہ ماہنگ کھانی پڑیں گے۔

"کیا بکر بڑی لترن بناؤں؟" "میں لیلے لوگوں میں ترست کچکی ہوں۔" "لماں کا ملے کر ترستے ہیں نہیں۔"

"لوگوں کی کیسی کیسی کی تیسی۔" اب مجھ سے نہیں کھانی جاتیں سوکھی روٹیاں

"ایسی طرح بھگو کر کیا کر داں" اُس نے چکار کر کہا۔ "بہت تیلی دال ہوتی ہے۔ دل چالا کر اٹھو کر جوتا سنگھاں اور ایک تر گز، لیکن کچھ بھی نہیں۔ صدر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔"

میں نے خاصو اس اختیار کر دی اور پھر میری شکل سمجھنے لگی، میں نے اس کی طرف سے سر پھراہی تھا کہ لوٹی "ذرا ادھر تو دیکھنا کیا ہے؟" میں نے جھلک پوچھا۔

"واقعی بوجگ کی دال کی وجہ سے تمہاری رنجت کو چو مردم پڑھتی ہے۔" پڑھ جانے دے تیر کیا جاتا ہے؟"

"اوڑ پڑھتے جی ہو گئے ہو۔"

"ایں دیکھ، خاموش ہو جائے۔" "پھر اداز ادھی ہوتی ہوئی تمہاری۔ کیون شامت آتی ہے؟" "خواہ نخواہ کیوں یحیر طق رہتی ہے مجھے۔"

اگر اتنا بھی نہیں بولے گے تو زبان سکھ جائے گی۔" ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارا جھرہ نرانی ہونا چاہیے۔ اس کے لئے ایک دسر سوچی ہے، تمہارا بھی بھل جائے گا۔"

میں پھر خاموش ہو گیا۔

ایں بھی نہیں اب کیا کرے دالی تھی۔ میں نے یوکھلا کر پوچھا۔ "کاہیے کی تیاری کرے گی؟" "تمہارا جھرہ نرانی کرنے گی۔"

"منافع میلاد فلات کر دیں۔" "لماں کا ملے کر ترستے ہیں نہیں۔"

اور وہ کیا مزے سے پڑی سورہی تھی میں نے خور سے اس کی طرف دیکھا اور بیمارت پر بیکین کرنے کو دل نہ چاہا کہ یہ وہی لستن بالو سے بیٹھنے بھری کی نیند میں سنتی مخصوص نظر آ رہی تھی۔ نہ ہنڑوں میں تنفس آ میز کھپنا و تھا اور نہ پیشانی پر وہ شکن ہی جو کسی کی ظرف دیکھتے وقت پڑ جایا کرتی تھی۔ میرا دم بہکنے لگا۔ دنیا جاتی ہے کہ وہ میری بیوی ہے تو بھر۔ تو پھر کیوں نہ۔ ایسا کہ وہ کہتا اور لیکہ سے آنکھیں کھول دیں۔ لذتِ استغفار اللہ تکر ہے کہ دل میں شیطانی و سوسائتے ہی جاگ پڑتی۔۔۔ ورنہ اف خدا یا پا و آتمی پڑھیں ہے، درد دل میں خال آتے ہی جاگ کیسے پڑی؟ اس طرح بیٹھے کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔ وہ غرّاتی ہوتی اٹھتی ہے۔۔۔ لیکہ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ میں ہکلا کر رہ گنا۔۔۔

”سرور کوئی بات ہے؟ بتاؤ۔۔۔“ اُس نے انکھیں نکالیں۔۔۔

”از نے کچھ نہیں۔۔۔ میں پیشانی پر باختر بار کر بولا۔۔۔

۔۔۔ میرا لگا گھونٹ دینے کی سوچ رہے تھے کیا؟۔۔۔

۔۔۔ میں سوچتا نہیں کہ گزرتا ہوں۔۔۔

”شکل دیکھی ہے کبھی اپنی؟۔۔۔“

”تمہارا لگا گھونٹ سے کہتے ایسی سکل دیکھتے کیا ضرورت ہے؟۔۔۔“

”میں نے کیا بُرا تی کی ہے تمہارے ساتھ۔۔۔“

”ہو، میری بدولت۔۔۔“

”کسی دن شہنشاہ ہند بھی بن جاؤں گا، میری بدولت۔۔۔“

”جلو بکواں بنڈکر فاوریٹ کر جاؤ۔۔۔“

”ہن پتنے تم اپنا تجوہ ٹھیک کرو۔۔۔ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔۔۔“ کیا تمہاری لوبنڈی ہوئی کہ نیک کر اور وہ نہ گر۔۔۔

”اچھا شہزادی صاحبہ۔۔۔“ میں نے جمل کر کیا۔۔۔ ”دریج کہہن کو دا فرمائیتے۔۔۔“

”چلو، سو جاؤ۔۔۔“ کل بات کر دیں گی۔۔۔ اُن نے کہا اذاد اپنے بشریت پر لیٹ کر میری طرف سے کڑوٹ نہ لے ای اذاد مجھے الجھن میں اُن دل کر خود چھوڑی ہی دیر میں خارج ہیتے گی۔۔۔

۔۔۔ آخر اب کیا گل محلانے والی ہے۔۔۔ اُن کا کیا مطلب ہوا کہ پھرہ بھی نہ رانی ہو جاتے گا اور میرا جی بھی بھے گا۔۔۔ اسے کس مصیبت غم پھنس گیا۔۔۔

حکیمی درجت پیشہ ہے۔۔۔ تو ش قسمت تھا اُن کا شوہر جس کا یہ بھی خود اسی نے چھوڑ دیا تھا۔۔۔ میں ہمیں جانتا تھا کہ روشنی مغاریج بن کر میں خود اپنی روح کو شیطان کے خواش کر دیا ہوں۔۔۔ پڑھیں کی طرح چھٹ پتگتی۔۔۔

۔۔۔ پچھلیں میں جب کبھی میں اپنے سر لین خوشبودار تیل دیائے تو اسے کی خندکیاں کھاتا تھا تو میری نام کہتی تھی۔۔۔ اُنے باولا ہوا ہے پیچے میری دن خوشبودار تیل دیلتے ہیں تو پڑھیں جبٹ جاتی ہے۔۔۔ اسے میری اُن تیڑے اس قول ہے مجھے جوانی میں ہی خوشبودار تیل کے استعمال سے باز رکھا۔۔۔ پھر پڑھیں کیسے جبٹ گئی۔۔۔ اب میں کیا کروں؟۔۔۔ میں کہن پیرسے اپنی جھاؤ چھوٹ کراؤں کس بیانے سے تعزیز لوں کر اُن نے خود مجھے ہی پیش ساختا دیا ہے اور امریکہ بناتی چلی چارہ ہی ہے۔۔۔

اسی الجھن میں نیند آگئی اور رات بھر ڈراونے خواب دیکھا دیکھ کر غونچا رہا۔۔۔ صبح کاذب سے قریب فالاخواب اتنا طراز تھا کہ نیند بالکل ہبی اُٹھتی۔۔۔

”صحیح ہونے والی ہے“
 ”تو پھر احمد اور وضو کے ناز طرد ڈالو“
 ”تم پر دش نہیں ہے کیا؟“
 ”مجھ سے بجت مت کیا کرو“ اس نے کہا اور کوٹ بدل کر میری طرف پشت کری۔ میں آب بھی یہی سوچے جارہا تھا کہ آخر اچاک جاگ کیے پڑی تھی۔ آب بخج اُس پر کسی جن کا سایہ ہے مگر جنات بھی بھلا دل کی بات کیوں کر جان سکتے ہیں وہ تو خدا کے علاوہ اور کسی پر وہ سن نہیں ہو سکتی یا پھر وہ خود ہی ہست پیچی ہرتی ہے اور مجھے غواہ محوا اپنے ساتھ گھیٹی پڑھ رہی ہے،
 ”یہ حال پھر مجھے نہیں آتی تھی اور صحیح ہو گئی تھی، اس نے بعد وہی رومنہ سر مولات۔ گھاؤں سے آتے ناشتے سے فارغ ہو کر وہ بولی ۔ آج سے تمہاری سالگردہ کا ہفتہ شروع ہو رہا ہے“
 ”میں نے جھرست سے انھیں بھاڑک پوچھا۔
 ”مالکہ کا ہفتہ آج سے جلالِ رحمت ہو گیا اور ہفتہ بھر کے لئے جمال آ رہا ہے“
 ”یہ جلال اور جمال کون ہیں؟“ میں نے انھیں نکالیں
 ”زمیں سے جمال ہو، اڑے آب تک جلالی پیر تھے، آج سے ہفتہ بھر کے لئے جمال ہو گئے ہو“
 خداوند اب کیا کرنے والی ہے اور مجھ سے کیا کرائے گی میں اچھوں کی طرح اُس کی صورت تکارہ افراد کو کہی رہی۔
 ”مطلوب یہ ہے کہ آج سے تم انہیں بند کئے، بیٹھ جھومنتے ہوں درجے“

لوگوں سے ہمسو ٹلو گے بھی، ان کی فریادیں سنو گے اور ان کے لئے دعا کرنے کے دندے کرو گے۔“
 ”اب تزید پر شایوں میں کبوں مبتلا کرنا چاہتی ہو؟“
 ”کیوں اُس میں پریشانی کی کیا تھا ہے؟“
 ”میں اُن سے کیا تھا کروں گا؟“
 ”ترنمذار بے موہبے کی بات ہے، میں کیا جاؤں؟“
 ”جھول ہی گئی کہ ہفتہ بھر تک عمر تین ہی متین ہاتھ لگاتی رہیں گی، لیکن جل کر گاک نہیں ہوں گی“
 ”عمر تین ہاتھ لگائیں گی“ میں بدک گیا۔
 ”ہاتھ ہیں لوگیں گی تو پھر تمہارا چہوڑا نہ رانی کیسے ہو گائی؟“
 ”اپنے نہیں کیا اُوٹ پلانگ لانچ بارہی تھی، پچھلے نہیں پڑھا تھا تھوڑی دیر تک میرے چہے پر نظر جاتے رہی پھر سکرا کر بولی۔“ وہ تمہارے پر اپنے لگائیں گی اور پھر چاندی کی سکل دیکھنے کے قابل ہو گی۔“
 ”اب بے سری ہوتے لیکن“ میں ھیئت پر سکرا ہی سمجھتے ہو۔
 ”لیکھو، نہ تن بالو اپنے نہیں ہو گائی“
 ”نہ مانسا سست اچھا ہی ہو گا تم فخر کرو۔ میں گاؤں بارہی ہوں، دہل سے تباہے لئے اپنے کا بندوبست کرنا ہے۔“ بچپن چاپت رہتا، ابٹن لگاتے دقت و منتین نہیں گی! بچپن کیسی اس پر صفا کرتے جانا۔ اولادِ انہیں تو اولاد دینا۔ دولتِ انہیں تو دولت دینا، بہر حال کسی مخالفے میں بھی انکار کا ہفظ زبان سے نہ کلے۔

میر انسر حنفی بھگ ائے لگا۔ وہ یہ سب کچھ سمجھ دیتی ہے کہہ رہی تھی۔ میں نے ابھی کچھ کہنا ہی چاہا کو کو دکر پاکی میں بیٹھ گئی، جو ناشتے کے ساتھ ہی اس سکل نے آیا کرتی تھی اور جلتے چلتے کہہ گئی ”بھوننا نہیں۔ آج یہ سے زبان کھل گئی ہے؟“ ہر وقت کسی نہ کسی الجھن میں بیتلار کھتی تھی، ابھی تک یہ ہوتا آیا تھا کہ لوگ میرے پاس آتے اور حلقوں بن کر بیٹھ جاتے۔ لیکن میں سرگوشیاں کرتے رہتے، اور میں انہیں بند کرنے بیٹھا بھومنا ہتا اگر کوئی اپنی عرض داشت پیش کرتا تو بھومنا ترک کر کے آنکھیں کھو لے بغیر اسے منٹنے لگتا اور آس کے خاموش ہوتے ہی بھر جھومنا شروع کر دیتا۔ تا انکھیں تھیں اور نہ اب ملتے۔ اس طرح کسی کی عرض داشت میں لیتا اور کسی کی نہ سنتا۔ یعنی بھومنا ترک یہ کرتا۔ اس طرح یہ بات مشور ہو گئی تھی کہ پوری نہ ہونے والی فراودوں کی عرض داشت پر میں بھومنا ترک نہیں کرتا جوں کی عرض داشت پر میں بھومنا ترک کر دیتا، وہ خوشیاں منانا پھر تاکہ فراز ضرور برآئے گی۔

دن بھر یہ سب کچھ ہوتا اور رات کو میں اپنا میر پیٹ پیدیت کر تو بیٹلا کرنا اور لسترن بالو کو سلواتیں سناتا۔

بہر حال اب مسلسل یہ تھا کہ جن لوگوں سے اب تک بات نہیں کی اُن تکیا کہوں گا۔ دراہی سی دیر میں لوگوں کی آمد شروع ہر ڈن جاتے گی۔ راٹھ پیر پھولے گئے تھے کہ ایک اذی دیکھائی دیا جا سی طرف آئے تھا پچھ قریب آیا تو بالکل ابھی لگتا۔ اس سے پہلے کبھی میرے حلقوں میں نہیں دکھائی دیا تھا۔ اب اس تدریجی آنکھیں بند نہیں رکھتا تھا کہ ان کی صورتوں سے اشناز ہوتا۔ گادن کے ایک آیکت نر کو پہچا شا تھا اور ان کے نابوں سے بھی واصف تھا۔

بالکل قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا اور میں اُنے خوش طبعی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے سلام کا جواب بھی دیا۔ میرے سامنے دوزالو ہو کر بڑے ادب سے اس نے دیست بوسی کی ادھ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جوان اعمجہ جامزrib اوڑھوشن سکل تھا۔ کسی اچھے خاندان کا جسم و چڑاغ معلوم ہوتا تھا۔ میں نے استفار حال کیا تو بولا ”یا حضرت، بہت دور سے شہرت فن کر حاضر ہوا ہوں۔ تاکہ کرشیف قشاؤں نے کہا۔ چل تو راجح اسی دربار میں چل۔“

”مذکو بیان کرو“ میں نے پر گوئی لجھے ہیں کہا۔

”گڑبرادر بولا۔“ یا حضرت، آپ روشن صیرہ میں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کر میرا خوب صادق ہے۔ طریق سنو نے پر شادی کرنا چاہتا ہوں“

”میں نے یہ ہدایتی سائنس لی اور بولا۔“ کیوں بینخی نے گھیرا ہے۔

”یا حضرت، میں نہیں بھجا۔“

”پہلے اپنے کو الف بیان کر ہو۔ مطلب بھی سمجھ جائے گا۔ کیا تجھے قیس عامری کا انعام یاد نہیں ہے؟“

”وہ ایام جامیلت کی داستان ہے یا حضرت“

”چل بیان کر۔“

”اسی گاؤں کے کھیاکی بڑی تھے۔“

”کیا بہر رہا ہے۔ قنے اُسے کیسے دیکھا۔“ تم پر وہ نہیں ہے۔

”تو چہر پیامدے نے میرے پاس کیوں آیا ہے؟“

”یہی لوڈشاری ہے کہ پیام نہیں دیا جا سکتا۔ ہماری حادثتی شمی خلی اڑی ہے۔“

”میں ایں پورے کھیا کا بیٹا ہوں۔“

"تپ پھر کیے بات سنے گی؟"

"اپنے بھائی کے درمیان کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ کیا اسے اپنا

"آپ چاہیں تو بن سکتی ہے" "تیرے بانپ اور سیکھی کے درمیان کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ کیا اسے اپنا ان جاتے گا؟"

"آپ فحکریں کہ دونوں کے پتھر دل موسم ہو جائیں" "میں نے اذانہ لگایا کہ دونوں کی دشمنی سمجھانے سے رفع نہیں ہو سکتی۔ لذانہ ایت صفائی سے بولا۔ "خام خیالی ہے تیرا کام نہیں ہو سکتا۔ اب کسی اور کے حسن کی شہرت میں اور عاشق ہو جائیں۔"

"یہ کیا فرمایا اب نہیں" "دست کا بے میں نے دنیا کسی ایک پر چشم نہیں ہو سکتی، بیجیستہ مسلمان" "دست کا بے کہم ازکم چار عدد کے حن کا شہرہ نے اور سرد ہے۔" "وجھے حق حاصل ہے کہم ازکم چار عدد نے جن کا شہرہ نے اور سرد ہے۔" وہ حیرت سے آنکھیں چھاڑتے میری صورتیں سکب رہا تھا۔ پھر وظہ حیرت سے نکلا اور یوں گویا ہوا۔ "یا حضرت مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ کچھ دن

"آپ کی خدمت میں حاضر رہیوں" "ابھی یہاں قیام کا نظم نہیں ہو سکتا" "میں نے جواب دیا۔" "میں صرف چند روز کی حاضری کی اجازت چاہتا ہوں۔ قیام کہیں اور کروں گا۔"

"سیاں سکھا مجھے پہچانا ہے؟" "رہتے رہ جائیں۔" "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم ایک پوچھنے کی سلسلیں دیکھنے سک کے روادار نہیں ہیں۔ پھر پہچانیں گے کیسے؟" "اوڑ تو ایسے کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟"

"دل کے لاٹھوں مجبور ہوں یا حضرت؟" "اں ختم کیا اہم امور ہیں۔" "اس خناس کے بارے میں کوئی فکر نہ تھا، جن کی شہرت میں کر رہے سعادت اطوار دل دے دیکھتے تھے اور خاندانی دشمنی کا یہ عالم کم ایک دوسرے کی صورت بک دیکھنے کے رد ادار نہیں۔ میں نے سکوت اختیار کر لیا اور عرب عادت آنکھیں بند کر کے چھوٹنے لگا سوچا اس طرح چھوڑ دیں بعد عمل جاتے گا۔ لیکن وہ تھوڑی دیر بعد کھنکا کر بولا۔ "یا حضرت؟" کیا میں بلوں ہو جاؤں؟" میں نے آنکھیں کھولیں اور اُسے تھرا اور دنظر میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اُب اور کسی کے حسن کی شہرت میں؟"

"اس میں کامیابی ہو جاتے گی۔" "اس نے چمک کر پوچھا تھا۔" "دفعہ ہو جاؤ" میں نے باخدا اٹھا کر کہا۔ "میکھیاں کے ہمان میں بھنک مجھ پڑ گئی تو یہاں سے زندہ والپیں نہیں جاتے گا۔" "مرنے والے سے تو میں ڈرتا نہیں" "میرے لئے تھام۔" پھر

"ایسا ذریمیتے" وہ گھنکا کر بولا۔ "ایسا ذریمیتے" اسی پڑھتے تھے۔ "ایسا ذریمیتے" "بس چلا جا۔" "میں نے دہاڑ کر کہا۔" "ورز غارت ہو جاتے گا۔"

"وہ تھوڑا بیگانگا کھڑا ہوا مجھے تو دیوار تھی معلوم ہوتا تھا، جنکے سکھیں کی شہرت میں کر غاشق ہو جانے بھی میں آئنے والی بات ہے۔ قصہ کہا نہیں میں تو بھی کچھ ہوتا ہے لیکن ایسا بھی نہ دیکھا اور یہ کہنا۔" "یا حضرت؟" "لکھ دوپر کے کھاندنے سے تبلی ہی نہترن والپیں آگئی، لیکن مجھے اس پریشرت حقی کے معمول کے میطان اپنی تک گاؤں والے کیوں نہیں آئتے تھے۔ میں نے نہترن بالا

سے بھی سیرت کا انہما کیا۔ ہنس کر بولی ”میں نے رُک دیا ہے۔“
 ”میکون؟ کیوں رُک دیا ہے؟“
 ”اکٹھے شام ہی کر آئیں گے میں لگ سکتے ہیں جل کر کہا۔“
 ”دی ہے میں کی تیاریوں میں لگ سکتے ہیں یہ میکون مل کتی ہے۔“
 ”لو اخْرِ مجھے تاشابنا ہے پر کیوں مل کتی ہے؟“
 ”اُن کا جو بھی بیٹے کا اور تمہارا بھی اور اب یہاں مخل ممای بھی ہوا کرتے گی۔ میں نے آج سے اجازت دے دی ہے۔“
 ”یہی کتنی بات میری سمجھیں نہیں آ رہی۔“
 ”اسے کیا تمہیں یہ شک خشک سی زندگی پسند ہے؟“
 ”بچھے تو آج کل زندگی ہی پسند نہیں ہے۔“
 ”مرنے بھی نہیں دوس کی بھجتے“ وہ مجھے گھونسہ دکھا کر بولی۔
 ”اچھا، صرف یہ تادکہ یہ ہفتہ سالگرہ کیا بلائے ہے؟“
 ”حش بیشن اور صرف جسیکو تین گاتی بیجا تیوں تمہارے ملے اپنے ایسے
 کی اور بڑے پیارے تمہارے چرے پڑیں گی۔“

”میں...“ ناعزم عورتیں ”میں ہر کل کر رہا گی اور میری سابس پھوٹنے کی ہو شش کی دو اکار، ابھی تمہاری عمر ہی کیا کہ عورتیں ناختم ہو جائیں گی ابھی تو تمہارے منہ ملے دو دھکی لُاؤتی ہے۔“
 ”ویکن لترن بازو مجھے غصہ نہ دلا رہا۔“
 ”پوری بات سُن، میں اُس رُدا پت کی نیادِ طالعے جائز ہی ہوں،“ بھروسہ تمہارے بعد بھی حاری رہے گی۔ اُن سی تاریخوں میں تمہارا اُپن اٹھا کرے گا جو عورتیں اُپن کے رکھا تیجا تیوں تمہارے مزار پر آیا کریں گی اور مزار پر پڑا۔

”اُپن مل کر اسے غُل دیا جایا کرے گا۔“
 ”میرا“ اور تم جنم میں اُلیٰ لشک فریاد کیا کہ دیگی ”میں نے جل کر کہا۔“
 ”میرا کچھ بھی ہو جیں تو تمہیں مرنے کے بعد بھی شاندار دیکھنا چاہتی ہوں۔“
 ”بہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ کتابت تمہیں ہفتہ بھر سکت مرنغ فذا ہیں جی میں گی اور آٹھویں دن ارنٹی کے تیل کا جلاں۔“
 ”میرا“ کیا بھروسہ ہے۔
 ”میرا“ مرنغ فذاوں کے اثرات زائل کرنے کے لئے جلاں ضروری ہو گا اور
 ”لوقت دل سے چڑھ دی پتل موہگ کی دال اور شک روٹیاں۔“
 ”تمہیں اب میں اسے بیوی کرنے پر تیار نہیں ہوں۔“
 ”یہ بچے حد ضروری ہے ذریم مرنغ غذا میں تیکن توٹا کر دیں گی تو نہ کل آتے
 گی اور تم ولی اللہ کی بیماری کسی میم خانے کے منتظم معده ہوتے بکھرے۔ لوگ لقین
 نہیں کریں گے کشم عشق اُنی میں مبتلا ہو۔ سڑاپتے کی خالت ہیں صرف بیٹ
 کے سبق گتوں گے۔“
 ”اچھا تو اسی لئے تو مجھے روکھی سوکھی کھلواتی رہتی ہے۔“
 ”اوہ کیا بیوی“ وہ چکا کر بولی ”وہر دل میں تمہاری دشمن تو ہیں۔“
 ”اب یہ بتا کر اتنے دلوں میں تو نے کتنی کمائی کری ہے؟“
 ”کچھ بھی نہیں دیں تو یہ سب بکھنی سیل اللہ کل رہی ہوں۔“ تمہاری روٹوں
 کا سہلا ہو گیا ہے اور کاوان والے ثواب کراہے ہیں۔
 ”لپکت سرم بدھ عاشوروں کے پیٹ بھر کر تو اپن کماڑے ہے میں یہ میں نے ذات
 پیس کر کہا۔“
 ”دشمن تو حالان کو بھی حرام کر لیتے ہو۔ تمہارے مُخْر کوں لگے۔ پل سیٹھا کیں

ہفتہ صور منایا جاتے گا۔“
”تو کیا ہفتہ بھر تک اُبین کلا جاتے گا؟“ میں نے ترقہ سی آواز میں پوچھا۔
”میں عوب سمجھتی ہوں۔“ ہنس کر بولی یہ سوتھ سوتھ کمزہ آ رہا ہوا۔

”خدا نے ڈلترن بانوے“ میں نے ہمیشہ کہا۔
”تم سے زیادہ طبق ہوں۔“ میں نے خدا کا دعا کیا۔
اور بھرواقعی میں نے جب اپنے ذہن کو ٹوٹانا تو پڑھ لا کر وہ ٹھیک کہہ رہی
چہے رخور توں کے اُبین بلنے کا تصور لدلت انگریز تھا۔ آخری اسے سبوحی کیا تھی
اپنامیں تو جب عورتوں نے میرا تھجھ منا چاہا تھا تو ماں وال کے درودی تھی
اور انہیں اس سے باز کھا تھا۔ ڈراؤ دیا تھا کہ ماخ جی لیگایا تو جل کر بھسہ ہو
جاتی گی۔ بھرا بیکیا اسی اعلیٰ کی اعلیٰ تھیں۔ جلال کو جال میں تبدیل کرنے کی ضرورت
تھی اور بھر ہفتہ بھر کرتے کیوں جائیں۔ میں کہ لال ملائی۔ میں
بیشم ہوئے جو اپنے بچے بچے گانے بجا بانے کی آوارہیں بھگل میں گوشے لگک
اور بھر ہوتے توں اور مژدوں کا وہ مشترک جلوس دکھائی دیا۔ جو مزار شرافتی کی
طریقہ تھا اس کا تھا۔ میں کہ لال ملائی۔ میں کہ لال ملائی۔

”آنکھیں کھولو اور میرے انا شروع کر دو۔“ ڈلترن بانو تھجھے بھجو کر
بولی۔

میں میان جی میں سمجھا غلام روں ہوں۔ میان جی میں فلیان ہوں۔ اور
میں ”خوش یا شغیر دار“ کی گردان کرتا رہا۔ اس کے بعد رہیم ہے۔
سچ گتے ادھوریں آگے بڑھیں اور میرے بھرے پر باری باری بستے اُبین لگانا
شروع کیا۔ پھر حالت یہ ہوئی کہ صرف آنکھیں ٹھلی زہ کی قیس، بچرے پر
سچ گتے کم از کم ایک انگلی دھیر تھے۔ اُبین کی بھر ہو رہی ہو گی۔ بھر ہوتے تین جھی پچھے

ہر سو گتے اور نہترن بانو آگے بڑھی۔ اب جو اُس نے میرے بھرے پر اُبین کی
رگڑائی شروع کی ہے تو خدا یاد آگیا۔ داڑھی کے سارے بانو اُبین کی شیوں کے
ساتھ بھرے سے اُترنے کے اور تکلیف کی شدت سے میری آنکھوں سے بیانی
بینے لگا۔ کراہوں اور چھوٹوں کو میں نہ جانتے کیسے روکا تھا۔

اسی دوران میں میری نظر اس نوجوان پر پڑی جو صبح ہی صبح اینی داشان
عشق مجھے نہیں آیا تھا۔ وہ دور کھڑا خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا میرے
بھرے کی رگڑائی ہو رہی تھی اور عورتیں طوکات بجا بجا کر کوئی گینٹ کا زہری
ختین جس کے بول میرے پتے نہیں پڑتے تھے۔ پڑتے جی تو کیا تکلیف کے
مارے ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں اس سے مظہوظ ہو سکتا
بتر حال، اس مرحلے سے گزرنے کے بعد میرا منہ غریق گلات سے ڈھلایا گیا
اور بھر جو اضافی جبل شروع ہوئی تھے بھرے پر تو جان ہی نکل کر زہر گئی۔

قصہ کوتاہ جب ایں نے اپنے بھرے پر واکھ بھیرا تو پیروں تکے نہیں
نکل گئی۔ داڑھی نوچ کی کون کھلے بھوٹیں کا غائب ہو گئی تھیں۔ دوسروں
کو کیسا ہوں گل رہا ہوں گا۔ تیرخیان آتے ہی ایسی بے سی یہ دھھاتیں ناریا
کر کر رہے کوئی چاہئے لگا۔ اس کا شروع کون کھلے بھوٹیں کی دل یاہ رہا تھا کہ اس کا منہ کیل کر کر دوں۔

کیا بیشن اور کہاں کی غفران، ایسے کا دوں و اسے بے حد جو شن نظر ایسے
تھے۔ خدا جانے مجھے تفریح کا باعث سمجھ رہے یا کوئی اور بات تھی میرا جیان
چھپ رہا اسی نوجوان کی طرف گیا لیکن اب وہ اس مجھے میں نہیں تھا اور چھرات
ہوتے ہوئے مجھے بکارا سما بکار ہو گیا۔ غصہ جھنجلا ہٹ۔ تکلیف کی شدت ان
پیشہ کے سوائل سے میری حالت غیر کرداری تھی۔ بیکاری پیشہ

سب کے نصت ہو جانے کے بعد وہ شیطان کی خالہ لوئی تیراکی کام ہے۔ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ دلیے دار طبیعتے توفیر کی شان کو پڑھ لگتا اس اس طرح خاصی گھنی اور کجوان دار طبیعت نکل آتے گی۔ اس دار طبیعت میں تیسم تیم سے لگتے تھے۔

”رجم کر سیرے حال پیچھا چھوڑ“ میں کہا گئے ”جس طبقہ میں ابھی تو پھر دن تک بھی ہو گا۔“

”یعنی اسی طرح اپنے کی رکھتے ای ہوگی۔“

”اور کیا نہیں تو کجوان دار طبیعت کیسے نکلے گی؟“

”میں کسی کو نہیں میں چلانگ لگا دوں گا۔“

”اوہ بڑے قھوڑو! اور نزدیک اس طبقہ میں کہا پی کر لگتے ہی سے میں خاہوش ہو رہا اور وہ کھاپی کر لگتے ہی۔ میں نے تو سرے ہی سے دیکھا تھے سے انہا کر دنیا تھا۔ طبیعت کیلے پے خود پر قابو بانے میں کامیاب ہوا۔

”اوہ ادھر کی تو چار باتیں کرنے کے بعد میں نے اسے اپنی لو جوان کے باڑے میں بتایا جو صبح کو میرا دماغ چاٹتا رہا تھا۔“

”بوہلا کر اٹھ بیٹھی اور مجھے گھوڑتی ہوئی بول۔“ تم نے اس سے آئی باتیں کیوں کی تھیں؟“

”اوہ تم ہی تو کہہ گئی تھیں کہ اب باتیں کرنا اس تاریخ کر دو۔“ میں ڈھونے والے

”اگر وہ تمہارے سلے اجنبی تھا تو تمہیں اپنی زمان بندی کھنچ لیتے ہیں وہ کہیں وہ کوئی سرکاری کھوجی نہ ہو۔“

”اس بنتے خیال پر میرا اول ذھکر ہنسنے پڑے گیا۔ وہ پیٹ فرما کر دھوپی پھی۔“

ادھر طرح کے منہ باتی نری بیڑا طبکہ لوزیں جلدی سے بانی اپنے لہلہ اور اندر ہر سے میں باہر نکل گئی۔ میں نے تو اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا کیم واقعی سرکاری کھوجی نہ رہا ہو۔ اور بھر مجھے بھی لوٹا بھر پانی کی ضرورت جسوس ہونے لگی۔

ستہ انگشتیں بانو والیں آئی تو میں نے لوٹا سنجھا لامجیب سی انھیں پیٹ میں شروع ہو گئی۔ آج میتوں کے بعد اپنی غدانی بھی ہوئی بھی تو یہ اضافہ پڑ گئی۔ بھرخان کچھ دیر بعد ایسا پھوس ہوئے لگا جسے زندگی بھر کا کھایا یا آج ہی کل جائے گا۔ اس بدخشت کی بھی کیفیت ہے۔

”ماسے الامعن یہ کیا ہو گیا۔ اُس نے اپنا نام کیا بتایا تھا۔“ وہ پیٹ پیکر کر کر لہتی ہوئی لوئی۔

”شاید لور الحسن۔“

”تم ناولیا نہ مارو۔ وہ کوئی سرکاری کھوجی ہی تھا۔“

”چیب چاپ لیٹ جاؤ دیکھا جائے گا۔“ میں تنے یعنی کڑا کے کھا پھر اچھا کی ایک بات یاد آتی اور میں اٹھ بیٹھا۔ وہ مجھے آنکھیں چھاٹھا کر دیکھتی رہی۔

”وہ انگشتیاں کہاں میں جو تم نے رب جن کے ہاتھوں سے اٹاری تھیں؟“

میں نے سوال کیا۔

”لگتے ہیں پہکوں میں۔“ میرے پاس میں۔“

”انہیں تلق کرو۔“

”مارے وہ۔“ میں کمال نہ ہے۔“ وہ چکر کر لی۔

”اوہ گردیں کٹو۔“ میں کے لئے واضح ترین ثبوت تھی۔

”میں فریش سکل بکاڑ دوں گی۔ جو اپریٹ اگ کر کے انگشت لوں کو سچھلا کر سوئے کی ڈل بنا لوں گی۔“ میں نے یہ زاری سے کہا۔ طبیعت اتنی ندھار،
لنجوڑل چاہے کرو۔“ میں نے یہ زاری سے کہا۔ طبیعت اتنی ندھار،
ہو گئی حقیقت خفیہ آنے کا سوال ہی پیدا ہوتا تھا۔

تم جب بھی کرو گے بے وقوف ہی کی باتیں کرو گے۔“ اس نے غادت
لئے مجبور ہو کر میری عزت افرادی کی۔

میں خاموش ہی رہا۔ بولنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ بعیض طرح کی نیت
اس رات آتی تھی۔ زمزمهتی میں تھا اور نہ جلانے میں اور کوئے دماغ میں بھما کے
لئے ہوتے افراد کروں پر کراہ بحکمت۔

دوسری صبح نترن ہی نے جگایا تھا اُس کے پھرے پر بھی زردی ظریفی
آنکھوں سے برسوں کی بیماریگ رہی تھی۔ جیسے ہی میں اس کی طرف متوجہ ہوا
ما قھر پر ڈال کر بولی۔ ”آغ تم اتنے بڑوں کیوں ہو۔“

بھیجھے بے شاختہ ہنسی آگئی۔ خود مردی جاہن ہی تھی۔ راث بانے اور مجھے بڑوں
کہہ رہی تھی۔ ”لیوں۔“

”بے حیاتی سلامت رہے۔ اور ہنسو گئیں تو اور کیا کرو گے؟“

”منہ بنا کر بولی۔“

”یہ صحیح ہی صحیح گیا شروع کر دی تم۔“ ہوش میں ہو یا نہیں یہ ہوئی
نے ملیش میں آکر کہا۔ ”میں نے اتنے دنوں کے بعد مرن گئے کھاتین قیں۔
اس لئے سرتویہ حشر ہونا تھا۔ لیکن تمہیں کیا ہوا تھا۔ تم رات پھر یوں
دھرتی رہی تھیں۔“

”میری اس بات کا جواب دیتے ہیں اُس نے چڑاٹا اٹھایا اور روز چکر ہیگئی۔“

”میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ خود بڑی تیس مارخان بنتی ہے۔“ اور
دوسروں کو بڑی کا الزام دیتی ہے۔
”والپسی پر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔“ میں نے آج تک یہ
نہیں پوچھا کہ آخرتم کس نسل سے تعلق رکھتے ہوئے۔
”تم کس نسل سے تعلق رکھتی ہوئے؟“ مجھے چھڑاڑہ ہو گیا۔
”میں تو مغل بھی ہوں۔“
”خدا کا شکر نے کی میں مثل بچہ نہیں ہوں،“ ورنہ تمہاری گردان کب کی
اڑا چکا ہوتا۔“
”چھڑاپ کیا چیز ہیں؟“ وہ اپری ہونٹ یعنی کروں۔
”لسا عرب ہوں اور عرب بوتوں کے خبرے برداشت کرنے کے سلے
میں ساری دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔“
”بھی اونٹ کی سینگنی کی شکل تکل آتی ہے۔“
”دل کو دھکا سالگا۔ یقیناً اونٹ کی سینگنی ہی کی ہی شکل تکل آتی ہوگی،
لیکن کوئی دارجی بوجھیں تو یعنی تو یعنی میلت اُبٹ کی نذر ہو گئی تھیں۔“
”سات نے کہ میں لے چھت کی طرف دیکھا ہی تھا کہ طریقے بولی۔“
”یہ اونٹ
ہی کی طرح ہنسکیوں اٹھا رہے ہوں۔“
”تمہاری معرفت کے لئے وفا کر رہا ہوں۔“
”اپنی خیرت معاوضہ میں چشم میں جاؤ گے۔“
”کیا دوسرا دنیا میں بھی تم سے چھٹا کیا رہیں تھے؟“
”میں تو تمہاری قبر میں بھی کھس جاؤں گی۔“
”اگر کیوں نہیں باقاعدے میں نے تمہارا کیا لکڑا اپنے۔ وہ وقت یاد

کرو، جب میرزا ہی دجھ سے تم اپنے شوہر سے بچا چھڑا نے میں کامیاب ہوئی
ھنیں۔

”تین توکل کی حی ہوں۔ وہ ہنیں کر لیں۔“

”ہاں تم طحیک کہ رہی ہو۔“

”کیا تمیں یہ عیش گران گزٹا ہے؟“

”میں ایک دھوکے باز کی چیست سے نہیں مرتا چاہتا۔“

”تو سن درستن گاہ کی فارغ التحصیل ہے نترن بالا۔“

”مکتب ایسا ملین کی۔“ وہ میرزا آنھمیں میں آنھمیں طالب علم کراں ایسے

رات بت جوی حال تھی، لیکن اس وقت خوب چکات رہی تھی۔ عجیب

ھاں تھا اس کا ہمیز ہر ڈرائیور نے داکے معلایے میں پہنچے بہت اپنی طرح سبھ جاندی

ہیں، لیکن چھراہستہ آہستہ اس انداز میں خود پر قابو پانی مھی کر لیعنی ہمیں آہتا ہا

میں نہ کہا۔

”کچھ سوچا۔۔۔“

”کس بار میے میں ہے؟“ اس نے سوال کیا۔

”جن کے سلے میں رات نے پریتان ہو۔“

”اوہرہ۔۔۔“ بگر سرکاری کھوجی ہی ہروا تو مارکر کمین دبا دیں گے۔

”تم باز کر دیا دیگی؟“

”وہ ایکھیں لکھاں کر دیں۔۔۔“ اگر بڑی دلی دکھانے گے تو

خود تمہیں دلت کی موٹ تھیب ہوگی۔۔۔“

”اُس کے بعد ویکھ کر دل دل گیا وہ بے حد بخیدہ نظر آزی تھی اور اس میں
بنا دٹ کاشا بستہ ک نہیں تھا۔۔۔“

”اکیون بخراں کر رہی ہوئے۔۔۔“

”میں بخیدہ ہوں ابوالحسن اگر اُسے ہم پرشہ ہوا ہے تو شیخ کی تصدیق
کر لیتے ہے پہلے وہ اس عمل کے کو اپنی ذات سے آگے نہیں بڑھاتے گا۔۔۔“

”اچھا تو پھر۔۔۔“

”بشتہ کی تصدیق ہونے سے قبل ہم اسے ختم کر دیا جاتے۔۔۔“

”باتات معقول ہی لیکن کم از کم میں توکی کوتل نہیں کر سکتا تھا میں ابوالحسن
اس کا بیٹا جا پنی روجہ کے ڈر سے غقوڈا لیکھ رہا ہو گیا تھا۔۔۔ کسی سے تیر کلامی کی
جرأت تو رکھنا نہیں تھا، پھر جائیکہ کسی کوتل کر دیتا۔۔۔ خود ہموں پر پڑھ سکتا
تھا لیکن کسی کا بال تک بیکاڑ کر سکتا تھا۔۔۔“

”کیا سوچنے لے گے؟“ اُس نے ٹھوکا دیا۔۔۔

”تم سے چھٹکا راپنے کی جرأت تو ہے نہیں مجھ میں کسی کو کوئی کر کر دیا۔۔۔“

”کروں گا؟“

”تم مجھ سے چھٹکا راپنے کے دو کوڑی کے بھی نہ رہو گے۔۔۔“

”ذیں خاہش ہی رہا وہ ہر دیکھ کہنے والی بھی کہ جھرے کے باہر سے اوز
آئی۔۔۔ یا پسی رو جانی، اسے روح نورانی خادم زیارت کی اجازت چاہتا
ہے۔۔۔ امیں تابندی میں آگیا۔۔۔ یہ تو اُسی ہر دو دکھوچی کی آفاز تھی۔۔۔“

”میں نترن بالا نے آنکھوں کے اشارے سے استفسار کیا۔۔۔ میں نے آہستہ
بڑھ کیا۔۔۔ وہی معلوم ہوتا ہے۔۔۔“

رہا ہوں ॥

”پھر کل والی بچوں اس کام کیا مطلب تھا؟“ میں نے غصباک ہو کر کوچھا
”میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ عشقِ جازی سے عشق
حقیقی تک پہنچتے ہیں یا برا اور استِ پہنچ گئے ہیں ॥“

”ایک اس بچوں اس کام مطلب ہی بتائیا۔“
”میری دہنی کی معافی چاہتے ہوئے عرض کر دیں گا کہ ایسا اوقات کی کثرت یہ
کے آدمی کو کسی دولت منڈ کی بیٹی سے عشق ہو جاتا ہے۔“ برسوں اُس کے پتوں
سرگردان ترتبا ہے جب وہ نہیں ملتی تو کھٹ سے مشوقِ حقیقی سے رجوع لاتا
ہے اور ہر مرست کا دم بھرنے لگتا ہے۔“
”لترن بالو نے یہ رست سے انکھیں چاہ کر میری طرف دیکھا۔
”میں پوچھ رہا ہوں کہ تو نے اپنے عشق کی جھوٹی دا ستمن کیوں سنائی
ہتھی؟“ میں نے کوک کر پوچھا۔ ”حالت حادثہ۔“
”بس یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں آپ بھی تو اسی طرح اس منصب
پر نہیں فائز ہوئے۔“ یہ سچ رہا تو میں اپنے بھائی کو کہا۔

”بھلا بھے اس سے کیا سے وکار؟“ یہ سچ رہا تو میں اپنے بھائی کو
”میں براہ راست والا پیر چاہتا ہوں۔“ عورت کے دلیل سے خدا کے
پہنچنے والے مجھے پسند نہیں ہیں۔“
لترن بالو نے پھر ہونٹ پھٹ کر میز کو جبکہ دی اور پولی بار بولی تو تم
اکٹے ہوئے۔ ”یہ سچ اسراز اتنے اخنثیوں ساتھ ایسا جو لاملا
”بھی مان صاحبی“ وہ سیکت لخت اچھل پڑا۔
”چپ رہے بدجنت“ لترن کوک کر بولی۔ ”کیا میری عمر میں صاحب کہلانے

”ماہری کی اجازت دے دو اور لترن یا لوکو دیکھ کر نظر میں نیچی کر لیں۔“
پھر تیرن سے میری طرف بڑھا اور قدموں پر پیش رکھ دیا۔ اس وقت آس نے قیزنه
وضلع احتیا کر کرکی تھی۔ گیردے رنگ کی کفنی بین کر آیا تھا۔ مجھے ہنسی آتے آتے
رہ گئی کیوں کہ اس نے دھاڑیں اسراز کر رونا شروع کر دیا تھا۔ میں نے لترن بازو
کی طرف دیکھا وہ بھی تیز اندماز میں اسکی جانب بکھران تھی۔“
جب وہ خوب ساز و پچکا تو بولا۔ ”یا حضرت مجھے معاف کر دیجئے یا
”کس بات کی معافی طلب کر رہا ہے؟“

”آپ ذات فراز ہائے پستان ہیں۔“
”بچوں بسکاں بکھر کے کھلات زبان سے نہ کالِ عالم الغوث اس نیلی
چھتری ذات کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“
”میں نہ اب محض نہیں ہوں“ وہ میرے قدموں سے سڑا ہلتے بغیر کوڑا گڑایا
اور لترن بالو ہونٹ پھٹ کر سر ملانے لگی۔“
”تو کوئی بھی ہو ہمیں اس سے کیا سوکا۔“

”میری کہانی ہشت بیسی تھی،“ یا حضرت!“
”محقر کے جلدی سے ٹنادے کے میری زورہ کہانیاں بہت بیوی سے
سنتی ہے۔“
”لترن بالو نے مجھے انکھیں دکھائیں اور پھر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ
”کہہ لرہا تھا“ میں ٹکات بنگال سے حاضر ہوا ہوں۔ حذرت شیخ چھٹانیؒ کے
آستانے کی چاروں بکشی کرتا تھا، لیکن دن حکم ہوا کہ ابین کر بیان ہو۔
”مجھے لہنا تھا بیان کرنا تھا،“ وہ سیکت لخت اچھل پڑا۔
 منتظر میں پس یا حضرت میں نے رخت سفر جاندھا اور آج قدم بوسن ہو۔

”میر سے پاس المفاظ نہیں ہیں کہ شکریہ ادا کر سکوں“ فیض الحسن نے کہا۔
اتے میں گاؤں والے ناشتے لے آتے اور انہوں نے بھی لووارد گردے
بشرطوں کے قدر کو حیرت لے سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

فیض الحسن ناشتے میں ہمارا شریک ہوا تھا تھے جانے کیوں اُسے چبٹا
گئی تھی اور آنکھیں پُر تفکر لاظہ آئیں تھیں۔
لترن باز ناشتے کے بعد حسب معلوم گاؤں چلی گئی اور میں نے مرائبے کی ٹھانے
نشرن جو شوشا چھوڑ گئی تھی، اس کے سلسلے میں مرید گھنگو سے بچنا پا تھا تھا۔
فیض الحسن اگر بچھ بیٹھتا کہ حضرت شیخ چھانی نشرن باز کے خواب میں کیوں آئے تھے
بڑاہ راست یہ رہے ہی خواب میں کیوں نہیں آئے تو یا خواب دیتا۔۔۔ اگر وہ سچے برع
سرکاری کھوجی ہی ہے تو نشرن باز کے اس کامے جھوٹ کوں زاویے سے دیکھے
گا۔

دققتہ اُس نئے میر سے ملاقات کی پرداز کے بغیر کہا۔ یا حضرت بچھے نائی صاحب
سے درجک رہا ہے۔

بڑی مشکل سے میں نے اپنی نہی روکی تھی اور اُسے قرآن و ناطروں سے
گھوڑتے رکھا تھا۔

میں جھوٹ میں کہرا ہما یا حضرت ”کیوں درتا ہے؟“

”پتہ نہیں کیوں؟“

میں زیادہ پوچھ چکے سے احتراز کرنا چاہتا تھا کوئی کوئی بات بچپن کرنے
گئی تھی کہ وہ کوئی سرکاری کھوجی ہے اور رجب خان کی تلاش میں ہے۔

کہ ہے۔ بی بی صاحبہ کہہ۔۔۔

”معانی چاہتا ہوں، بی بی صاحبہ۔۔۔ وہ گرا گرا آیا۔۔۔“

”اپنا صحیح نام بتائے۔۔۔“

”فیض الحسن عرف مٹھو میاں۔۔۔“

”یعنی نام بتایا تو شیخ چھانی شاہ نے۔۔۔ وہ سر بلکر بولی اور میں بیہتے
سے اس کی مشکل بچھے لگا۔ بچھے فیض الحسن عرف مٹھو میاں کے پھر سے پر محی حیرت
کے آثار دکھاتی دیتے تھے۔۔۔“

”ہاں ہاں نشرن بالو سر بلکر بولی۔۔۔“ بچھے خواب میں بشارت ہوتی تھی۔۔۔ مٹھو
میاں ہی ہیں خوش آمدید مٹھو میاں۔۔۔“ فرشتہ میں تعلیم دیں گے۔۔۔ حضرت

شیخ چھانی نے عالم زدیا میں فرمایا تھا کہ مجھے مٹھو میاں پر فخر ہے، اس نے آتی چھوڑی
میں غریب سلوک کی ساری نظر لیں ٹھکری ہیں کہ مجھے اس کے راوی برادر شرمندگی
محسوس ہوتی ہے، اس لئے میں اسے شاہ ابوالحسن کی خدمت میں روانہ

کر رہا ہوں۔۔۔“

میری بھومنی نہیں آرٹھ تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔۔۔ کیا بچے تھے میرے ہاتھوں سے
ہو سے قتل کرے گی۔۔۔ خندڑا خندڑا ایسینہ میرے جسم سے بچھے بچھے لگا۔۔۔

”اوہ فیض الحسن بھی شاید دیتے ہے حضرت ایں عوط زان تھا۔۔۔ نشرن بولی۔۔۔
آواز ہی نہیں نکل رہی تھی، نشرن باز کو ملکر طغرد بکھ جا رہا تھا۔۔۔ نشرن بولی۔۔۔“

اوہ حضرت شیخ چھانی نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عزیزی فیض الحسن دشوار ترین جملے
کا طبقے کا شاہی ہے اس لئے آپ لوگ بدلتے ہوں۔۔۔ اُسے چلتے کاٹھنے دیں۔۔۔“

”بھی ہاں، بھی ہاں۔۔۔“ فیض الحسن بکھلا لئے ہوئے ایذاز میں بولا۔۔۔
”تو ہم تمہیں چلتے کاٹھنے دیں گے اور اچھے طور پر تعلیم عہی دیں گے۔۔۔“

۱۔ میں نے پھر آنکھیں بند کیں اور جھوہنا شروع کر دیا۔ آپ تو عادت سی پڑنگی تھی، جھوہنے کی میل مقصود بھی جھوہنے لگتا تھا۔
”یا حضرت کچھ تعلیم فرمائیں۔“ فیض الرحمن نے کچھ دیر بعد سراحتی میں محلِ دالۃ کی کوشش کی۔

”الف سے الٰہ۔“ میں آنکھیں کھوں کر غزا یا۔
”بھی ہے۔“ وہ اچھل ٹا۔

”اس گوشے میں چلا جا۔“ میں نے ایک جانب پا تھا اٹھا کر آما۔ اور دیوار کی طرف منکر کے بیچھے جا اور رہسارہ الف سے اونٹنے۔

”لے۔۔۔ لکن۔۔۔ یا حضرت!“
”کیا تو اسے علم نہیں سمجھتا۔“ میں نے آنکھیں نکالیں۔
”یہ بات نہیں ہے۔“ وہ گھٹ بڑا کر بولا۔

”پھر کیا بات ہے تو یہاں مولیٰ فاضل نہیں آتا۔ باطن کی اصلاح کی جاتی ہے یہاں۔ الف سے الٰہ سے میں تیری اندازو خوبیں لے کے کی کیوں؟
ہے تاری بات؟“

”یہی سمجھ لیجئے۔“
”یہ تو چرپاس آنا کو فنا کر دے کر راہ سلوک کا پہلا مرحلہ ہی ہے۔ اس کے بعد الف سے اللہ اور بے سے بندہ۔“

”معافی چاہتا ہوں یا حضرت۔ پڑتے بات میری سمجھیں نہیں آئی تھی۔“ اس نے کما اور حسب ہدایت اُسی گوشے میں جا سکھا۔
”بہاؤز ملنڈے۔“ میں نے لکھا کر کما۔

اور وہ بذور زور سے الف سے اُٹکی ہانگ لگانے لگا۔ تھوڑی بھی
سچھ میں نہیں آتی۔

”اتمنی جلدی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتی گا۔“ میں نے آنکھیں کھوئے پھر جواب دیا۔

بعد مجھے اُس سے ابھن مسکوس ہونے لگی اور میں نے ڈبپٹ کر کیا۔“ میں کراورِ ادھر آئے۔

اس نے تعلیل میں بڑی چھرتی دکھاتی اور میرے قریب ہی دوز افواہ بیٹھا۔ ”تو چل کر بھی کرتا رہا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”جج۔۔۔ بھی ہاں۔۔۔“
”کس قسم کی۔۔۔“

”وہ دیکھتے۔۔۔ دراصل مائی صاحبہ کو خواب ٹھیک طرح سے یاد نہیں رہا۔ حضرت شیخ چھنان نے سُقْرَة کشی کیا ہے۔“

”یہ کیا ہے سُقْرَة ہوتی ہے؟“
”یہ تو بھی نہیں معلوم یکیں اکبر واقعی یہ ہے کہ میں سُقْرَة کا کشی کیا اور دھواں حضرت شیخ کے منہ سے لکھا تھا۔“

”یہ کیوں نہیں کہتا کہ سُقْرَة کشی شیخ کی کامت تھی؟“
”بھی۔۔۔ بجا فرمایا۔۔۔ تو مطلب یہ کہ شیخ نے سُقْرَة کشی فرمایا ہے۔۔۔“
”صاحبہ چل کر کشی سمجھیں۔“

”جج۔۔۔ بکو اسن نمت کر۔۔۔ ہم میں کوئی غریب ہو یا۔۔۔ ہوں لیکن ہماری نوحی درجہ کمال کو سمجھی ہوتی ہے۔“

”بے شک بے شک اس تھیز پر تقدیر نے بھی یہی مسوس کیا تھا۔“
”میں نے پھر آنکھیں بند کیں اور حسب تو فیض جوہنا شروع کر دیا۔۔۔“

”لیکن وہ کہ بچپکا بیٹھنے والا تھا۔ جلد ہی کھنکار کر بولا۔“ یا حضرت ایک بات سچھ میں نہیں آتی۔۔۔
”اتمنی جلدی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتی گا۔“ میں نے آنکھیں کھوئے پھر جواب دیا۔

لکوں بیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔

”پوچھو۔ کیا پوچھتا ہے؟“

”وہ اپنے دل انعام دیا حضرت“
میں نے قدرتے بتتم کیا اور آنحضرت کھول کر بولا۔ ”یہ بہت بیچیدہ مسئلہ ہے۔
ابھی تیری سمجھ میں نہیں آتے گا۔“

”لیکن میں کل سے اسی میں الجھا ہوا ہوں۔“

”اچھا تو سن۔ میں نہیں بلکہ غور سے میری طرف دیکھو۔“

”اس نے بڑی سعادت مندی سے تعیل شروع کر دی۔ لیکن کی لیگائے
مجھے دیکھا رہا۔“

”اویکھ چکا۔“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ یا حضرت دیکھ چکا۔“

”میں کیسا لگ رہا ہوں؟“

”ہی، ہی، ہی، ہی۔ میں کیا غرض کروں؟“

”مفعک نیز لگ رہا ہوں؟“

”اپنی زبان کاٹ کر چینک دوں اگر ایسا کوئی لفظ اُس سے نکل جاتے۔“
وہ سنبھل کر بولا۔

”چھر مجھے اس سوال پر ہنسی کیوں آئی تھی؟“

”انہار بے بسی تھا یا حضرت کیوں کہ جواب کے لئے میرے پاس الفاظ
نہ تھے۔“

”ہماری زوجہ مادرزاد ویلیہ ہے۔ پیدا ہوتے ہی اس سفلے دا جنائی سے
پوچھا تھا۔ یہ تو نے بیوی کی سی حقوقی کیوں بیمار کی ہے اور وہ بے چاری تھی۔“

مارکر بے ہوش ہو گئی تھی۔“

”اُف، میرے خدا۔“ اُس کی آنکھوں میں خون کے ساتے نظر آتے۔

”میں پہلے اپنے نادان، ہماری صورت پر غور کر اس سے پہلے جی تو نے ہیں دیکھا
تھا کیا یہ الٹی ہی تھی۔“

”نہیں یا حضرت شکل مبارک بے حد نور اتنی تھی۔ اول بے اختیار کھلتا تھا۔“

”اور اب...؟“ میں نے پوچھا۔

پھر کم جنت نے اس سوال پر پوچھت اختیار کر کے منبع فرع دل جلا دیا۔ ویسے

یہی وہ بحث اسی کیا دیتا۔ بہرخال میں نے خود ضبط کر کے کہا۔ ”ہماری

زوجہ ہر سال یہ جشن اسی لئے برپا کرتی ہے کہ کہیں ہم اپنی وجہ سمت پر غرور
نہ ہو جائیں۔ ہر سال ہماری اصل سلسلہ ہمیں دکھایا تھی ہے۔“

”اللہ حرم کرے۔“ وہ خدا تعالیٰ ہوتی آوازیں بولا۔

”ایک ہفتے تک اسی طرح اُمِن لگتا رہے گا۔“

”پہلیں تو پچاہی سمجھتے گا۔“ اس نے ہمدردانہ بجھیں کہا۔

”اگر اللہ کو مظور نہ ہوا تو وہ بھی نہیں پہلیں گئی۔“ میں بے بی سے بولا۔

”تو آپ بھی غالپ رہتے ہیں، اما صاحب سے۔“

”کیوں نہیں۔ ہماری مرشد تو وہی ہے، سلوک کی منزلیں تو وہی طے
کر لاسہی ہے۔“

”لیکن حضرت شیخ چھٹانی نے یہ تو ہیں بنایا تھا۔“

”شیخ چھٹانی“ میں نے تقدیر سے کہا۔ ”شیطان جما کا جما کا پھر تھے
تھماڑی زوجہ سے۔ شیخ چھٹانی کیا نہیں ہیں؟ اُن کے افسوس کے ہی پر جل بایاں

ہے۔ اگر وہ ادھر کا فرخ کرے۔ دعا صلی تو ہمارے تو سلطے سے اسی کی شاگردی

میں دیا گیا ہے۔"

وہ بڑی عجیب نظر وہ سے مجھے دیکھے جا رہا تھا۔ ذلتی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور جھوپسے لگا۔ قوڑی دیر بعد "الفت سے اُو" کی گروہ دوبارہ مناتی دی آنکھوں میں دُر کر کے دیکھا۔ وہ پھر اُسی گوشے میں دلوار کی جاں بست مٹر کر کے جایا تھا تھا اور پھلا سبنت بہت دل لگا کر لیا کرنے لگا تھا۔

میں بڑی شکل سے اپنے فتحے کا لگا گونٹ سکا۔

نترن بازود کے کھانے کے ساتھ والپس آئی۔ ایک موٹی سی رنی کا بچا دبھی لائی ہی۔ میں نے اشارے میں اُس کا صرف پوچھا، لیکن وہ آنکھ دکھا کرہے تھے اور پھر فیض الحسن کی گھوڑتے تکی جو اب بھی ہر آواز بلند یاد کئے جا رہا تھا اس سے نظر سٹ کر مچھ پڑھری۔

"مری پھلا سبنت جو تم نے مجھے ذیا نہما، برخوردار فیض الحسن کے لئے تحریر کر دیا ہے۔" میں نے ردِ صاحب کی۔

اس نے گمراہ نہ بنایا اور نزد سے لالی "بل کرو۔" فیض الحسن اس طرح غامبوش ہو گیا جیسے ذلتی اس کی گروہ ان لڑاکوں کی تھی۔

"بیدھے بیٹھو۔" وہ تیری سے گھرا اور سر جھکاتے میٹھا رہا۔ میرے بیٹے میں درد بشورع ہو گیا تھا۔ بار بار ہنسی روکنا کوئی ہنسی کمیں تو تھا۔ میں ڈپٹی میں ملکیت ادا کی تھی۔

میں نے تمہاری آمد کی اطلاع تھیں والوں کو دیے دیتی تھیں۔

فیض الحسن کچھ نہ بولا اور وہ کہتی رہنی۔ "شیخ چھٹانی نے تمہارے ایک مخصوص بچے کا ذکر کیا تھا، لہذا آج کے خش کے بعد تھیسے والے ایش ملے کام مظاہر دیکھیں

گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔ بی صاحبہ۔"

"لہذا وقت آئے پر سمجھ جاؤ گے۔"

"لیکن میں تو حضرت کو اصل بات بتاچکا ہوں۔"

"لیکا بتاچکے ہو؟"

اس نے بے بی سے میری طرف دیکھا۔ شاید بچھے متوجہ تھا کہ میں اس کی دکالت کروں گا۔

پھر بھی کہتا ہے کہ تمہارے سنتے میں فرق آیا ہوگا۔ حقیقتی کو جلد کشی سمجھی ہو گی۔

میں لے کر۔

"بچھے کیا ہوتی ہے؟"

"کرامت کرتا ہے۔"

اور دھواں اپنے مُنڈ سے نکالتے تھے۔

"یہ کیا بخواں ہے؟"

"بخواں نہیں ہے، بی بی صاحبہ۔" وہ بھرائی ہوتی آواز میں بولا۔ "میرے خدا بزرگ شاہ بھی بہت پنچھے ہوتے بزرگ تھے۔"

بہت تو اُدھر سے تھے "نترن گمراہ نہ بنایا کیوں۔"

بہت "میں نہیں سمجھا۔ بی صاحبہ۔"

"میں تو وہ اُسے گھورتی ہوئی غرائی۔" میں تھسے والوں بچھے کہہ چکی ہوں کہ تم جلد کشی کے آغاز کا مظاہرہ کرو گے۔

"تم میں مگر نہ مظاہرہ۔" بتکے؟

اس کی نکتہ سبنت کر دیا۔ وہ اُدھر دستِ خزان پر زکھا ہے، اٹھا کر بچھا دیا۔

پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ درخواں پر کہاں تک طرح لگاتے ہیں ۔۔

قد و بیان انداز میں اچھا اور سترن باؤں کے احکامات کی تعیین کرنے لگا۔ یہ را
ذہن رستی کے لمحے میں اچھا ہوا تھا۔ کم از کم تیس چالیس گز بیجی رہی ہو گی۔ کیا فیض الحن

کو پھانسی دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ آخر کیا سوچا ہے اس نے۔

دپھر کے کھانے کے بعد ہم دونوں قیلوے کے لئے لیٹ کے تھے اور سترن
باؤں نے فیض الحن کو مزار شرافت کی جا رہت کشی کے لئے بیج دیا تھا۔ میں نے

رسی کے بارے میں پوچھنا چاہا تھا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ آنکھیں بند کئے پڑی رہی۔
شام کو پھر حشرش کا ہرگامہ شروع ہوا۔ اپنے کا قصہ بیٹھا نے میں جلدی کی گئی

تھی۔ اس کے بعد سترن باؤں نے مجھے کو مطابق کیا۔۔۔ لک بیگان لئے ایک
بُزرگ حضرت شیخ چھانی نے اپنے شاگرد شیدی میاں فیض الحن کو مرشد

کے حضور برائے تربیت میھا ہے۔ یہ فیض الحن بڑے بھاکش میں الیخخت
چلتے کھپتے ہیں کہ فولاد کے آدمی کا پستہ بھی پانی ہو جاتا ہے۔۔۔

وہ خاموش ہو گئی اور میں اچھن میں پڑ گیا کہ اب کیا کہے گی۔ آخر کیا کرنا
چاہتی ہے۔۔۔

اس نے چہرہ لاش روئ کیا۔۔۔ کی گوشے میں عین جھوک رکون سے چل کھتی کر لیا
اور بات ہے لیکن میاں فیض الحن کی طرح کبی درخت سے اٹھا لکھ کر علیہ
کرنا اور بات ہے۔ میں نے اب تک زکمیں دیکھا اور زکمیں سالیکن آپ بے

دیکھیں گے۔ ہاں بھتی رحمت خان دی راستی سامنے والے درخت کی کسی مصروف
شاخ سے اس طرح باندھ دو کہ اس کے دونوں سرے نیچے لکھتے رہیں۔۔۔

میں نے فیض الحن کی طرف دیکھا، اس کے ہونڈ پر ہوتیاں اڑنے لگی۔
تھیں۔۔۔ بُرکملہ کر ایک ایک کاچھرہ تک رہا تھا لیکن نشان گلگ ہو گئی تھی۔

وہ ذریعہ الٹ کر سنت پر آجاتے گی اور یہ لوگ بحالت چل کشی تماری ذہنی موت
نہ دیکھ سکیں گے۔

فیض الحسن نے چھر بڑی بلے بی سے میری طرف دیکھا اور میں نے انہیں
بہنڈ کر لیں۔ اپنی عافیت مجھے اسی میں نظر آئی تھی کہ نترن بالوں کے معاملات میں
داخل املازی نہ کروں۔ آنکھیں بند کئے جو متارہا تو یہ آج کی ماں شے چھر پرے
پرکل ہی کی سی سوزش ہوئے لگی تھی لیکن آج بزرداشت کی قوت میں کسی تدری اضافہ
بھی محسوس کر رہا تھا۔

محظوں میں ذیر بیدا چانک شور تھیں بلند ہوا اور میں نے انہیں کھول دیں؛ بیمارہ
فیض الحسن درخت سے اٹا لکھ رہا تھا۔ دونوں مانگیں الگ الگ رسیون سے
بندھی ہوئی بیتیں۔ شاید یہ پکیں جھپکانا ہی بھول گیا تھا۔

نترن بالوں سے تربیت اگر آہستہ سے بولی۔ ”کیو تو لوگوں کی دھونی بھی
دلادوں ہے؟“
”کھان کھان کر جائے گا۔ اندھا ہو جائے گا۔“ میں نے خفر وہ سنی آواز
ہیں کہا۔

”خیر تم کہتے ہو تو نہیں دلواتی۔“
”تجھے آخر یہ سوچی کیا؟“
”فردا مجھ بُر خاست ہوں یعنی دو تو بتاؤ!“ میں نے کہا اور میرے پاس
سے ہٹ گئی۔

اور میں سوچنے لگا کہ بتائے گی کیا۔ ”مجھ بھی بُر خاست ہو گا؟“ ابھی
تغفل سماں منعقد ہو گی۔ .. بندوں کے مجھ اور کیرتن کی خوب نقل اتاری
سہے زن۔ .. بُعدنا دیں ہو تب یہ لوگ تو زندہ دین کر دیتے جاتے ہو۔ طلاق اور

نترن بالوں نے فاتحاء نظرور سے میری طرف دیکھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ آخر کیا نے والی ہے۔ کیا صحیح فیض الحسن کو درخت سے اٹا لکھوادے گی؟
اگر وہ کوئی سرکاری کھو گی ہے تو اس کے بعد کیا ہوگا۔ .. کبخت کو جو سوچتی
ہے، انہی کی سوچتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر تنہیہ اسی پوچھتے میں
پوری سطح پر جن مقدن کے لئے اُس سے اختیار کیا جا رہا ہے پہلے اس نے کہا تھا کہ
اگر وہ کوئی سرکاری کھو گی ہے تو اس سے پیچا چھڑانے کا بہترین طریقہ یہ ہو
گا کہ اسے پچکے سے ٹھکانے لگا دیا جاتے کی حد تک معقول تھی یہ تجویز، کسی کو کافی
کان بھرنہ ہوتی لیکن اس طرح تو وہ اُس کی تشویر کرنے جا رہی تھی۔ خلقت کا ایک
اژدھام اُس سے درخت سے اٹا لٹکے دیکھے گا۔ ایک ایک کے ذہن پر لقش
ہو جاتے گی اُس کی صورت۔ .. اور پھر اگر وہ چانک غائب ہو گیا تو یہی
کوششیں ہو جاتے گی۔ یعنی کو تو گردید بھی پڑ جاتے گی۔

بہر حال میری دانست میں اُس سے اول درجہ کی احتفاظ حرکت سرزد
ہونے چاہی تھی۔ دفتارہ فیض الحسن کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”کھڑے منہ
کیا دیکھ رہے ہو میاں فیض الحسن۔ بلادے کو سمیٹو اور کس کر کے گرد باندھ ل۔

مجھیں لگے۔ ” تو پھر میں سپاہیوں کو ہمیں چھوڑ دیا جاؤ؟ ”
 ” اسے نہیں اس کی صورت نہیں ہے۔ ہم لوگ جانتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنے ہے اور پھر یہ روحانی معاملات میں تماری سمجھیں نہیں آئیں گے۔ ”
 ” بیسی آپ کی سرفی۔ ” سُکھیا نے نیاز منداش اندازی میں کہا اور پھر وہ ہمیں اپنے سپاہیوں سمجھتے چلا گیا۔
 ” نترن بازو کیں دہ سرہی نہ جائے ” میں نے خوفزدہ سے لمحہ میں کہا اور دہ بڑی لے دردی سے مہیں پڑی۔ ” آخر تو چاہتی کیا ہے؟ ”
 ” اُس کی نوت ” دہ بڑی میں بولی اور میں نو لفتوں کی طرح اس کی شیکل لکھنے لگا۔

” اس طرح نہ دیکھو۔ میں تماری طرح انٹری ہمیں ہوں ”
 ” تو انٹری سے یعنی بدتر معلوم ہونے ہے۔ ” بھی حرادہ آگیا۔
 ” وہ کس طرح میان جی؟ ”
 ” تو نے ایک غلقت کرائے اس جرم کا گواہ کیا ہے؟ ”
 ” لیکھاں کھا گئے ہو گیا ہے ”
 ” اڑائے ابھی موٹی ہی بات بھی تیری سمجھیں نہیں آتی ” میں نے زرع کر کر کہا۔
 ” سرٹی ہی بات تو تماری سمجھیں نہیں آرہی ہیاں جی۔ ” مجھم تو ہر ہی کوڈاں اتم سے بڑا گھاٹ راج نکت میری نظروں ختنے نہیں گزرا۔ ”
 ” ہاں، میں دانتی گھاٹ راج کا اس بُرے حصے کی بلا پتے سرگھاں۔ ”
 ” تین باتیں پر اس کا بسط ملتیں دیا کرو۔ ” بھیجے۔ ” دہ آنکھیں کالا کر دیں۔ ”

سارنگی پر اللہ اور اس کے رسول کا نام الاتھتے ہیں۔ یہ ایمی خسرو ہمیں عجیب چیز تھے، اسلام اس کو مقامی رنگ دینے کی کوشش کردی تھی۔ لیکن علمائے کرام کے کافلوں پرہیز جو روہنگی اور تو اور محمد مغلن جو شریعت کا بے حد پابند تھا۔ اس کے دور میں اس پدعت نے رواج پایا۔ ادھ کمان کا اعلیٰ کمان کی نیعت تھا۔ ” یہ مزار ”
 نترن بازو کیا کر رہی ہے۔ لیکن مٹی پلیدی ہے۔ میرے بابا تم کمان ہے۔ ” بنا مختار ہیا کرو۔ ” بتیر ہمی تو ما در موسم کے مارے ہوتے تھے کاش قم اتنے دریوں نہ ہوتے۔ ” پتہ نہیں زندو ہمی ہو یا اللہ کو پیارے ہوئے۔ لیکن میرے سریں یہ سدا کیوں سما یا کہ تمہاری نلاش میں نکلوں اور اس دنال میں پڑھاؤں۔ ”
 تقریب جاری رہی لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کھلتی ہوتے مقیم کاؤں میں پڑھ رہے تھے، لیکن ان سے مفخر ہونے کی تاب سمجھیں نہیں رہی تھی ذہن۔ اسی میں ابھا ہمزا جھاکر آب نترن بازو کیا کرنے والی ہے۔
 ” خدا غذا کے یہ ہنگامہ ختم ہوا۔ لوگ رخصت ہوئے لگے۔ خاصی نکات ہو گئی تھیں۔ ” دشیلیں اٹھاتے ہوئے فیض الحسن کے قرب بیٹے گزرتے رہے لیکن کوئی اُن کے آس یا اس عرکت نہیں رکھتا تھا۔ پتہ نہیں اُس سے چارے پر کیا گزر رہی ہے۔ ” حکم ہار کر شاید اُس نے بھی اپنی اسی حالت کو رفعی مشقت کا ہر بگ دینے کی کوشش شروع کر دی تھی، بالکل بیس و عمرکت لکھا ہوا خا یا یہڑا ابھی آذیت محسوس کی ہو کر بے ہوش ہی ہو گیا ہو۔ سب چلے گئے صرف سُکھیا اور اس کے دو پاہی مڑک گئے۔ ”

” بی بی صاحب، اب ان کا کیا ہو گا؟ ” سُکھیا نے نترن بناز سے پوچھا، اس کا اشارہ فیض الحسن کی طرف تھا۔ ” ” بھکھانے نترن بناز سے پوچھا، ”
 ” ابھی تو رات تھے میں سے ” ” نترن یا لوبولی ” آپے میں آکر ہو کچھ بھی کہے گا ”

"میں طمع نہیں دے رہا۔ خلوصِ دول سے اپنے گھار پر کما اعتراض کر رہا ہوں۔ دیسے اسے کبھی نہ بھولا کر تو کس طرح روئی تحریک گرداتی ہوئی قطبہ قلی خان کی خوبی میں میرے پاس آتی تھی۔ اس وقت اس کا کیا ذکر۔" وہ پہنچ کر لوٹی۔

"تو جب بھی اخنان فراموشی کا ثبوت دے گی۔ تجھے یادِ دلاؤں کا کینز ن کر رہنے کا عددہ کیا تھا تو نے... اور اب مانگ بنیجھی ہے۔ مجھے اپنی مرثی کا بائیہ رکھنا چاہتی ہے۔"

"پابندِ رکھنے کی کوشش کر دوں تو تم غرق ہو جاؤ۔" "بس کریے بھجو اس اور مجھے سوچنے دے کہ اس حركت کا یقین جگہ کیا ہو گا۔" "یہی کردہ مر جانے کا۔" تڑ سے جواب دیا۔

"اور ہم پیں سے بیٹھ رہیں گے؟" "بالکل... ہمارے چین میں کیا ذوق پڑتے گا۔ خلقت گواہی دے کے گر وہ اپنی مرثی سے راتیتے کے لئے اٹالٹا سکتا تھا۔ اس کی مرثی کے خلاف ہوتا تو کیا وہ اس وقت اجتماع بز کرتا جیبت اٹالٹا بھایا جا رہا تھا۔" میں سنائے میں آگیا۔ بات پتے کی تھی۔ واقعی اُس نے اجتماع نہیں کیا تھا۔ نیشن پاپر کے اعلان کی تیریدی بھی نہیں کی جتنی چیز چاپ اٹالٹا لیکر گیا تھا۔ بالکل ایسا ہی ہدوم ہوا تھا جیسے برضاء غبّت اپنے مجاہد سے کامیابی کرنے چاہتا ہو۔

"نیشن پاپر مجھے خابوش دیکھ کر نہیں پڑی اور بولی۔" اگر گیا لو اعلان کر دوں گی کہ اس کے روشن نہیں اسے ملک نگالے اسی لئے بھیجا تھا کہ وہ یہاں ساکر جلت کر کے اور شاہ اور الحسن نکلنے دستیں پرستی سے دنماویا جائے۔

مجھے ایسا محکم ہوا جیسے میرا سر شلنے سے اڑا گا ہو۔ واقعی خود کو بالکل گھاڑ تسلیم کر لیئے کو دل چاہنے لگا۔ اس سے بہتر تبدیل تدارکوئی ہوئی نہیں سمجھتی تھی۔ وہ سرکاری کھوجی رہا ہو یا کوئی اور گاؤں والے بہر حال ہمارا سنا ہدیتے کیونکہ سب کچھ ان کی موجودگی میں ہوا تھا اور انہوں نے اسے بمنظرا استھان بھی دیکھا تھا۔

"پھر جب ہو گے" نیشن پاپر نے چھپا۔ "اپنے کچھ بھی ہواں کا خون تو ہماری گز دن پر ہو گا۔" میں نے شکستِ تسلیم نہ کرنے کا تھیر کرنے ہوئے کہا۔

"ہوا کرے۔" وہ بے پرواہی سے بولی۔ "ذوق میں چونکہ پڑا۔ گاؤں کی سمت سے کوئی شعل لئے اسی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔"

"یہ کون پلا آ رہا ہے؟" میں نے بالکل اس طبقتی ہوئے کہا۔ "میں نے بھی پڑا۔ چھپے ہو، خو جلی ہو گا۔" ادھر ہی آئے گا۔ لیکن وہ فیضِ الحسن کے قریب ہرک کر اسے او ازیں دینے لگا۔ "یہ کون بدخت ہے؟" نیشن پاپر تھج کر بولی۔ "ہر کو جاؤ دیر جل کو بھم ہو جاؤ گے۔"

"میں بسدا کا نام ہوں، بی بی صاحب۔" مری مری سی او ازیں اسی دہانے پر لیا کر رہے ہو، ادھر آف۔" یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔

"بکراں مت کرو۔ مرا قبیلے میں ہے۔ ہر دہانے سے" "کہیں مر جائے؟" اور شاہ اور الحسن نکلنے دستیں پرستی سے دنماویا جائے۔

بُم سے مطلب ہے: ہم کو ان ہوتے ہوئے نہایتے رُو حادی معاملات میں
دخل انداز ہوتے واتے۔ یہ قیص الحن عرف مخصوصیاں ہیں۔ حکم بیگان کے بزرگ
شیخ پھٹانی کے شاگر درشید ہے۔ وہ تیرک طرح ہماری طرف آیا اور بولا۔ یہ بات نہیں پہنچنے مدد اکے ساتے
اُسے اُتار دیتے، ورنہ بیچ پنج مر جاتے گا۔

”امام صاحب ہوش کی دو اکرو“۔ لشمن باؤ کاٹ کر بولی۔ ”ہماری
یہ دخل اندازی کسی طرح بھی جائز نہیں، تم لیک مرد حق کی عبادت میں خل دل انداز
ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”وہ...“۔ ”میرا بھاجنا ہے۔“ بی بی بی صاحبت۔ پنج خدا یکتے
وہ ہر سکلا کر رہ گیا۔

”ہمارا بھاجنا ہے۔“۔ ”میں نے حیرت سے کہا۔“

”میں ہاں۔ لکھ بیگان سنتے نہیں اکر آیا دستے آتا ہے۔“

”میں سمجھی۔“ وہ امام کو گھورتی ہوئی بولی۔ ”ہماری آمد نے ہمارے مان
دان میں فرق آگیا تھا۔“

”وہ پھر سکلا کر رہ گیا۔“

”تو کیا سمجھتا ہے کہ تم تیرے اس شر سے آگاہ نہیں تھے۔ خاصاً خدا
خدا نہ باشد۔ لیکن خدا خدا نہ باشد۔“۔ ”میر توفی دیکھو وہ اپنی خوشی سے
الٹا لٹا گیا، گاؤں بھر کے سامنے جس اسے بھی پا ہے جا کر اپنے ہے اُسے
نبرد سی نہیں لکھایا گیا۔“

”مم۔“۔ ”میں جانتا ہوں۔“ بی بی صاحب۔

”ہماری پول کھولنے کی غرض سے تو نے اپنے بھائیج کو کھوجی بنا کر بھجا تھا۔
کیا تم غمیں جانتے کہ تلاکوں والوں میں ہمارے خلاف بیان کیا کرتا ہے،
جیسے بہر پیاس کرتا ہے اور تو نے کبھی یہاں خامنی نہیں دی۔“
”میں ناہم ہوں بی بی صاحب۔“۔ ”مجھے معاف کر دیجئے۔“

”اُس کی زندگی۔“۔ ”وہ بیلہ ہوش ہو گیا ہے۔“
لئے یہی حکم ہے کہ تم معاف کر دیں۔“

”وچھرے اُتار نے میں امام کا اتحہ ٹھاؤ۔“

”میں اٹھ کر اپنے بڑی دشواری سے فیض الحن کو اُتارا پھر بڑا ٹولی کر کے
بھرے میں لے آئے۔ وہ واقعی بیلہ ہوش تھا اور بیضن گز نور پڑ گئی تھی۔ لشمن بیا
عطکی ایک پھر بھری بینالائی اور اس کی ناک کے قریب کر کے بیٹھ گئی۔
”ایک تو یکوں میجا ہوا ہے۔“ لشمن بیا نے امام بے کہا۔ ”اپناراست
لے۔“

”اسے ساختہ جاؤں گا،“ بی بی صاحب۔

”ایک تو دوسری حادثت کر دے گا۔“۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”کاؤں والوں کو یہ بتا نے گا کہ تیرا نہر پیاس بھا جائے۔“

”کھولنے کے لئے ہم سے مل بیٹھا تھا۔“۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”بھر میں کیا کروں؟“

”دیکھو تو ہمیں ذیلیں کرنا چاہتا تھا لیکن ہمیں تیرزی عربت عرب نہیں ہے اسے۔“

پہلی اپارٹمنٹ نے دوسرے بیکاوان میں ماحسے کوئی بھی تیرے بھائیجے کی حیثیت سے
نہیں پہچانا۔ لہ ورنہ ہمیں ضرور بتاتا۔ ”
”جی ہاں۔ کوئی بھی نہیں پہچانا۔“
”بس تو پھر دو خاردن کے بعد اُسے جلتا کر دیں اگے۔ کوئی لڑکے گاتو
کہہ دیں گے، مرد تلندر تھا کسی اور طرف نکل گیا ہو گا۔“ جسے پڑی
”جی ہاں۔“ یہ بالکل تھیک ہے۔ میری عقل بخط ہو گئی تھی بواقعی
آپ لوگ اہل اللہ میں مجھے معاف کر دیجئے۔ اجازت ہو تو قدموں پر سر
رکھ دوں۔“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ نترن بالوں بے نیازی ہے تما۔
”یہ اتنا کچھ کوئی اہل ہوش میں رہتا۔ اپنے دل کو کینے لئے بچانے کی درہ
بھیں کا دوڑا تو کھلاہی ہوتا ہے۔“
”میرے حس من دعا فرماتے ہیں۔ میں بہت گھنگال ہوں۔ لڑکہ لپٹنے والوں کاں پکڑ
کر لولا۔“ زندگی بھرا کپڑے اور نوں کا خادم رہوں گا۔“
”دل صاف رکھ، اس کے علاوہ اور کوئی نصیحت نہیں کروں گی۔“
”مجھے مزید کر لیجئے، میان صاحب!“ دوسری طرف دیکھ کر گاؤ گایا۔
”پہلے خود کو اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کر۔ پھر تیری میخواہش بھی
پوری کردی جائے گی۔“ نترن بالوں تما۔
”دوسرا دفعہ بخوبی بیٹھا رہا۔ میری نظر نیعنی الحسن کے پھرے پر تھی اُس کی آنکھوں
کے پورے جیسی کرنے لگے تھے اور رہ لہ کرنا کبھی سکر طرز تھا۔
”اس کے ہوش میں آنے سے ہلے جا۔“ نترن نے امام مساغت سے کما۔
”اور دیکھنے اس سے ملے کی کوشش بھی اور نہ شناسائی ظاہر کرنے کی جب تک

یہیں ترہ ہے اور ہر کارخ بھی شریح ہو۔“
”اپ کے حکم کی تعییں ہو گی، بی بی صاحب۔“ وہ اٹھتا ہوا اور ہٹک بھک
کر سلام کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔ دلیل بھی
”اُس کے دوسرے نکل جانے کے بعد میں نئے کچھ کہنا چاہتا ہیں؛ لیکن نترن بازو
نے ہنڑوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہتے کا اشارہ کیا۔“ فیض الحسن آنکھیں اس
کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ بیک اُس کے منہ سے کراں میں نکلنے لگیں۔ ساتھ
ہی بے ربط جملے بھی ادا کر رہا تھا۔“ اسے بالکل مرجاوں گا۔“ بزرد پڑیے والی
بی بی اہلیت اُسیں۔“ اُبین،“ بھائیتے ہاتے۔“
میرے لئے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ لہذا میں اُنھوں کا ہر کسی راہ
لی اور ذرداز کے قریب ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔
”دفعہ اندر سے آواز آئی۔“ اسے بی بی صاحب۔“ بہم میں کیسے اُڑا؟“
”خاموش رہو۔“ نترن بالوں کی قبرنگات آواز آئی۔“ بھر و پتھر فربی ہماری
پول کھولنے آتے تھے۔“ سامنے پیپر۔“ بھائیتے تھا۔“
”نچ۔“ بھیجی۔“ اُنگلی کیا۔“ نچ۔“ ای۔“ فیض الحسن کی ہنکاہ
شانی دی اور میں اُنھوں کا اندر آیا۔ وہ فرش پر دوڑا اور بیٹھا خندھیاں ہوئی انکھوں
سے نترن بالوں کو دیکھے جا رہا تھا۔“
”وہ ہم کو دھوکا دیتی ہے کی کوشش کی تھی۔ ہم جو سارے احوال سے بر جھت
پر زور دگار آگاہ ہو جاتے ہیں۔“ بہن اپنے سامنے جو اُنہوں کا دل دیکھتا تھا۔
”نچ۔“ بھی۔“ میں نہیں سمجھا۔“
”کیا تم مسجد کے امام نیقر الدین کے بھائیجے نہیں ہوئے؟“
”اُس کا مسٹر ہیرست سے کھلا اور کھلا ہی رہ گیا۔“ بہن دل دیکھتا تھا۔

”جلدی وہ بھی راہ راست پر آجائے گا۔“ نترن بازو ہوتی۔
 ”میرا دل چاہتا ہے کہ اب خلوصِ دل سے ساری زندگی آپ کی خدمت
 میں گزرا دوں۔“
 ”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ نترن نے کہا۔ جہاں سے آئے ہو دیں
 واپس جاؤ۔ تم ہمارے کام کے تھیں ہو۔“
 ”یعنی کہ مایوس ہوتی بی معاہب ہے۔“
 ”تم دو چار دن ہمارے ساتھ رہو گے اور اکبر آباد پلے جاؤ گے۔ ہم کسی
 کی سے عزتی کے خواہاں نہیں ہیں۔ دلدار گاؤں والے تو اس حرکت پر تم دلوں نامون
 جلبائی تکابولی کر کر رکھ دیں گے۔“
 ”مجاہر یا اور داتی ہم اسی قابل نہیں۔“

”لیکن ہمارے نئے حکم ہے کہ ہم معاف کر دیں۔“
 ”جس طبقہ میں تھے، اس طبقہ میں رہے۔“
 ”لیکن ہمارے نئے حکم ہے کہ ہم معاف کر دیں۔“
 ”جس طبقہ میں تھے، اس طبقہ میں رہے۔“

○○○

”لیکن ہمارے نئے حکم ہے فیض الخلق عرفِ مکھو میاں کو حوصلت کر دیا جائے تو اس
 بڑی طرح رو رہا تھا کسی طرح جانے پر رضامنہ ہی تھیں تھا۔ میں نے دل میں کافی
 احمدیہ بخشی ایک سال بھر پر پانہیں رہنے گا۔“
 ”وہ چلا گیا اور اس کے بعد ہی سے سید جو کہ امام فی گاؤں والوں سے
 کہنا شروع کر دیا کہ اسے غواب لیں بشارت ہوتی ہے کہ دلوں امیاں یوں دلی
 اللہ ہیں اور پھر خود بھی خاضری کئیں رکھتا تھا۔“
 ”جس طبقہ میں اکٹھا اور اس کے اختام پر پھر دی تسلیم تھے۔“ نترن ناشا کر کے
 لیکن میں پلی جاتی اور دو پر کھانے کے ساتھ واپس آتی۔ عصر اور رغبت کے

”نفیر الدین ہمیں بھروسیا سمجھتا ہے۔ گاؤں والوں کو ہمارے خلاف و بغلانے
 کی کوشش کرتا ہے۔“
 ”مم۔۔۔ میں بے قصور ہوں۔ میں بی صاحب۔“ وہ ہاتھ حجر کر گھوکھیا۔
 ”میں یہ جانتی تھی۔ اسی لئے تم کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ حکیم کو تم گاؤں
 والوں کے لئے اجنبی تھے۔“
 ”یہی بات ہے۔ میں بات نہیں ہے۔“ وہ جلدی سے سر ٹاکر لے لا۔
 ”اٹھو۔ ہاتھ منہ دھوو۔“ اور وہ ادھر کھانا رکھا ہوا ہے۔
 ”مم۔۔۔ میرا دل تو چاہ رہا ہے کہ خود کو شی کروں۔“ وہ رپڑا۔
 ہو کر ٹوپلا۔
 ”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے حکم ہے کہ ہم اپنے قشرون
 کو معاف کر دیں۔“
 ”وہ نترن یا نور کے آگے سجدے میں گز کیا اور جسچ پیچ کر رہا ہے لگا اور
 میرا دل چاہ رہا تھا کہ نترن بازو کی چٹپا پکڑوں اور گھستیٹ گھسٹیٹ
 کے مارتا چھو۔“ دفعائیں عنے کہا۔ ”یہ کیا کر رہا ہے؟ سید حامیٹھ۔“
 ”اور ہو یا کھلکر اٹھ بیٹھا اور نترن یا نور بڑی ڈھانی سے بولی۔“
 ”علاؤہ اور یہی کے آگے سجدہ رینہیں ہوتے۔“
 ”وہ دوز ان بیٹھا دھاطیں ماردا کر رہا تھا۔ بڑی دشواریوں سے خارش
 ہوا تھا لیکن کھانا کھانے پر تیار نہیں تھا۔ ڈانٹے ڈنپٹے کر اُسے اس پر
 آمادہ کیا۔“

”کہا پچھا تو بولا۔“ مجھے ماہوں جاں سے نفرت ہو گئی ہے۔ خاص منظور سے
 مجھے اس کے لئے بلوایا تھا۔“

گئی تھی۔

حتّیٰ بولو۔ خاموش کیوں ہو گئے۔ جواب دو۔ تجوہ سے پہلے تم کیا تھے؟
”کہہ دیتا کہ مجھے نیند آ رہی ہے۔“ میں نے بے بی سے کہا۔

”جیسی بھی تھی بُری حکلی زندگی گزار رہی تھی تو تم آتے اور تم نے میری آئیں زندگی
کی بول کھوئے کی کوشش کی اور بات اس حد تک بڑھی کہ عدم ہی تو مجھ طلاق دلوانی
کی سعی کر دی۔ اس کے بعد میں کہاں جاتی۔“ میں کہا۔“ دوسرا میں میرا کون تھا؟“

”قطب قلی تجوہ سے لکھ کرنا چاہتا تھا۔“
”مجھے اس منصب سے نفرت ہو گئی ہے۔“
”لیکن اس کا طہونگ رچاۓ بغیر کام نہیں چلا۔“ میں ہی طیش میں آگئا
اخط میٹھا۔

”المرجیت خان والا حادث طیش نہ کاہوتا تو اس کی مزدوری یہی نہیں
ھی۔“ اس نے کہا اور سنبھل کر بولی۔ ”آخر کام کہنا کیا چاہتا ہو؟“

”کیا یہ طہونگ کی طرح ہی درست ہے؟“ احمد نے اپنے سارے
”کسی ولی اللہ کو ایسی باتیں زیست نہیں دیتیں جسیں تم کر رہے ہو۔“

”خدا کے لئے تھا میں ایسی باتیں نہ کیا۔“
”میں کیا کروں، علق خدا یعنی کہتی ہے۔“ میں نے لوبات میرٹ مرشد
ہی تک رکھی تھی۔ میرٹ کے امام نے تمہیں ولی اللہ بنادیا۔ میراث میں کیا قصور
ہے؟“

”یوری لیتی میں صرف وہی ایک حق پرست تھا کہ تیری جالاکوں
اوے ہی خراب فخر کیا۔“

”اچھا لیکا پھر بہم خراب دخواز ہوتے۔“ اس کی مکاری اس کے مز پر
ہے۔

دریمان کچھ گاؤں والے آجائتے اور غماستے قبل چلے جاتے۔
”پھر پہاڑ سی رات ہوتی اور نترن بالو کا جان جلا یعنی والا پھر جو۔“ ایک رات
ہنس کر بولی۔ ”شام نے۔ تمہاری شرت ابھی شاہ کے نام سے ہو رہی ہے۔“ میں
کچھ نہ بولا۔ اس نے ہنس کر کہا۔ ”تمہارے جسی کے بھی شہرے ہیں۔“

”مجھ سے کیا سنا چاہتی ہے؟“ میں طیش میں آکر بولا۔ ”تمہارے کام سے کچھ سوچی۔“

”تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟“ میری نظروں میں کام سے کچھ سوچی۔“

”ابن تو پھر تجوہ سے مخاطب ہونے کی مزدورت تمہیں ہے۔“
”ٹوپھر کیا دلواہ سے باتیں کر دو۔“ تمہارے ملاواہ اور کون ہے یہاں۔“ میں
”میں نے میراری سے منہ ہپر لیا وہ ہٹوڑی دیر بعد بولی۔“ پھر شے پر پکھوٹا باب
”ترنکھنے لگی ہیں۔ دیکھا کیسی چھٹے دار دار طحی اُگتی ہے۔“

”خاموش رہ، مجھے نیند آ رہی ہے۔“

”مجھے تو نہیں آ رہی اس لئے تمہیں بھی نہیں آ سکتی۔“ ہاں اور کچھ رتنا سجد
کا امام تو اپ آئے دن لوگوں کو تمہارے بارے میں نئے خواب سناتا رہتا ہے۔
”نترن بالو کمی تو مجھے بھول جائے دیا کر کر تو نئے مجھے شہزادیں الرحم پناکر کہ
دیا رہے۔“

”شناخت اُطہری میں اور چاڑھ کھاتے والے بچے میں بولی۔“ اور تجوہ سے بھلے تم
کیا تھے؟“

”مجھے یاد ایکی کہ میں ”مرشد“ ہی بن کر تو اس کا جن اتار نے گیا تھا لیکن وہ
محجوری تھی۔ سوچا ہا پچھ دلوں کے بعد اکبر آنادی ہی سے بھاگ نہ کلوں گا اور پھر
مجھے ریا کا لذتی کی اُس زندگی نے سعادت مل جاتے گی۔“

”لیکن یہ مزدوعد
عوزت کسی جن ہی کی طرح مجھ پر سلطاط ہو گئی۔“ پھر تو اس دلیل میں چھپتا ہی چلی

مار دی۔ بھائی کو کھو جی بنیا کر بھیجا تھا مردود نہیں۔ میں بُرایا شامتہ بنیا کر لے گیا۔ اس پر وہ نہیں کر لیں۔ ” بالکل اُبین شاہ کے ہوں ۔“

میں کچھ کہنے ہیں، والا تھا کہ کی نے دروازے پر دستک دی۔ ہم بڑی طرح چونکہ خلاف معمول اتنی رات سے گئے کون ہو سکتا ہے۔ دستک پھر ہوتی اور میں اپنے بھی کڑا کر کے اونچی آداز میں پڑھا۔ ”کون ہے؟“

”فیض الحسن۔“ ”مری مری ہی آواز آئی ادا نشن بالاؤ ہی پیشان پر شکنیں پڑ گئیں۔ پھر اُس منے مجھے دروازہ کھوئے کا اشارہ کیا۔ فیض الحسن باحال پریشان شامنے کھلا رہتا۔ مجھے دیکھئے ہی قدموں پر گردیا۔

”ند اٹھو!“ سخت سے نترن بالاؤ کی آواز آئی۔ ”تم پھر کیوں آگئے؟“ ”ڈینیا سے دل اپاٹ ہو گیا ہے۔ بی بی صاحب۔ اب تو بس اپنی ہی خدمت میں قائم رہنے کی اجازت دیجئے۔“

میں نے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے بال اپھے ہوئے اور گرد آؤ دتھے پھرے سے پے انداز تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ نترن بالاؤ ایک طرف ہٹ گئی اور وہ جھے نیں داخل ہو گا۔ اُس کی آنکھوں سے انزو جازی تھے۔

اُنکی طرف ایٹھ گیا اور باقاعدہ آواز سے لارنا شروع کر دیا۔ اسرا نیا کہیجی لگ گئی۔ ہم دونوں حیرت سے اکب دوسرا کو دیکھے جا رہے تھے۔ آخر تک نترن بالاؤ بولی۔ ”تجھے بھما دیا گیا تھا کہ یہاں رہنے میں شیری طری ہو گی۔ تیرا موم بستی میں موجود ہے۔ وہ آخر کب تک لجھے اجنبیوں کی طرح دیکھتا رہے گا۔ اگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ تو اس کا جا بجا ہے تو ہم بھی

چھوٹے بنیں گے یا۔“ ”یہ سب سمجھتا ہوں بی بی صاحب، لیکن دل کیوں نہیں مانتا۔ لیکن یہ فیروں کی شفافیت ہے۔ یہاں بھی عیسیٰ دینا کے کئے نہیں رہتے۔“ ”میں مجادہ کروں گا اور اپنے وجود سے وہ شے نکال چکیوں کا جس بھی وہ سے آپ بھت سخت دینا کہہ رہی ہیں۔“ ”خالانکو فہری کیا پن تھے دوبادہ یہاں لایا ہے۔“ ”میں نہیں سمجھا، مانی صاحب؟“

گھروں پانی پڑ جاتے گا تھوڑا اگر میں نے وہ بات کہہ دی۔ ”یہ بھی کر کے دیکھو!“ میں نے برافوجھی ظاہر کرنے ہوئے کہا۔ ”یہ کم خفت تو چکنا گھرتا ہے۔“ ”حضرت بھر کرم فرمائیتے۔“ وہ اٹھ جوڑ کر گڑایا۔ ”مکاری کی باتیں ختم کر۔“ نترن بالاؤ بولی۔ ”بزر دوپے والی کا حصوں تیرے لئے نامکن ہو گا۔“ ”وہ حیرت سے منہ کھوں گزدہ گیا۔“ چھر دنوں کا ہوں سے اپنایا پیٹنے لگا۔

میں متوجہ رہا تھا کہ سب وہیں دیکھ دیا۔ کی بات کیا۔ ”کھل آئی اور پھر اس کا روپ تھا کہ رہا تھا بھی نہیں۔ نترن بالاؤ نے بچھوڑ کر دیا۔“ اچانک بھی دیکھا۔ ”یہ بھی ایسی غیب و دلی کا سمجھ جانا کا ایک اور موقوع ہاتھ رکھا گیا۔“

لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں صاف پڑھا جیسے کہہ رہی ہو۔ بھک مارو گے یعنی الحن
نے میری زبان سے یہ سننا تو درست ایم ہے میرے قیدوں پر آجرا تھا۔
”تم اس کی عوصل افزائی کر رہے ہو، میاں صاحب“ لترن باز غرائی۔
”تم نہیں سمجھتیں تی بھی برگزیدہ ہونے والے ہیں دلائل ہے۔“
”فضولی بات ہے۔“
”منزلیں ہیں سلوک کی یہیں نے مسکرا کر کہا۔“ مجھے شادی کے بعد عرفان
ہوا تھا۔ اسے صرف عرفان ہو گا۔ شادی نہیں ہو سکے گی دی۔

لترن بازو نے دانت پیس کر مجھے گھونٹ دکھایا کہ وہ تو انہا پڑا ہما تھا۔
پیرے تدمیں یہ بہارتی حركتیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تا
”یا ٹھی۔“ میں نے ڈپٹ کر لہا۔ اور مزار شریف کے اسی گوشے میں
جا کر پڑھ رہا ہوا بھی سویا تھا۔
وہ دوڑا تو بیٹھتا ہوا بولا۔ ”مُهوكا بھی ہوں یا حضرت صفحہ سے کچھ نہیں
کھلایا۔“

”اسی وقت سے جاہدہ شروع کر دے کر کھانے کو کچھ بھی نہیں تھے۔“
میں نے کہا۔
میں وہ اٹھا اور لٹکھتا آہواج ہے سے نکل گیا۔
لترن بازو بھی حس و حرکت کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لو
کی حد تھی ہو۔ آخر کار چندی سانس سے کر دروازے کی طرف مڑای اور
کٹھپی لگا کر لترن پر آیا۔ اور مجھے اس طرح دیکھنے لگی جیسے ہمیں باری دیکھا
ہو۔ آخر تین یہ کیا سوچی تھی۔ اس نے کہا۔ غیر موقع طور پر اس کا لختہ۔

”ساخت ہو جائی کیا بے ہودگی!“ ذغدادہ ڈپٹ کر بولی اور فیض الحن
کے با تھوڑک گئے، لیکن اب اس نے چپ سادھی میں اور بہ سرخت ویاس
لترن بازو کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔
وہ بڑی کے مدار تھا کی میں ہے اور لمحات کے تھوڑے پر پہنچے والے
ایک ماڈل کا چھانجا ہے۔ لترن بازو نے سرخجھ میں کہا۔ ”اگر تیری نیت
کا علم اس کے باپ کو ہو گیا تو تیری زندگی خطرے میں ڈھانے کی۔“
”لیکن بی بی صاحب میں تغیرات کے عکس نے پر نہیں پلا۔ میرا باپ علات
میں عراقض توں ہے۔“

”بکواس س پذکر اور واپس جا۔“
”میں مر جاؤں گا، بی بی صاحب۔“
”اک سخت لیا اس غلقاہ کیلیں جنوں کا اکھاڑہ بنائے گا۔“
”عشق حقیقی ہے، بی بی صاحب!“ وہ ٹھیکی سے بولا۔ ”بی بی عرات
کے عرات دیوار کر لیا کروں گا۔“
”یہ ناممکن ہے۔“ وہ پر بچ کر بولی۔
”بیس تو چھ راب یہاں سے میری لاش ہی جاتے گی۔“
”میں بیچ نہ بچ مار داؤں گی۔“

”احسان ہو گا مجھ پر۔ اس عذاب سے بچات ملے گی۔“
لترن بازو نے بی بی سے تیری طرف دیکھا اور میں اپی لے سا نظر
تھم کی سکھا سٹ کوئی طرح نہ روک سکا۔ اس کی آنکھوں میں چیرتتے
آشان لاطر نے اور چھر فاس ہو گئے۔
”نکر ز کر وہیں اس کے عشق کو عشق نہیں کی طرف ہو دوں۔“

بیلے حکمرم تھا وہ میں تو سمجھا تھا کہ پھٹ پڑتے گی۔ پھر اور کیا کرتا۔ وہ طلنے والا نہیں تھا۔

”پھر اور کیا کیا؟“
”مفت میں ایک خادم نہ تھا آیا ہے۔“
”تم سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ ایک رُنگی کے چھین میں ہے اور میں قطعی طور پر مہرلوپیا سمجھتا ہے۔“

”یہ تم کیسے کہ سکتی ہوئے؟“
”بہرلوپیا نہ سمجھنا ہوتا تو اتنی وحشائی اسے اعتراض نہ کرن لایا۔“
”یہ بات بھی سمجھیں آئے دابی تھی۔“ پھر چند کہ اشran بالوں نے اس کے دل کی بات کثیرہ دی تھی۔ اُس کا روپ ایسا لکا پر منی ہوتا چاہتے تھا، اگر ہمین ٹرگزیدہ سمجھتا تھا۔

”پھر پوس نے تھوڑی دیر معد کہا۔“ ”تم فکر نہ کرو۔ دیکھ اسے جھلانے پر مجبور کر دوں گا۔“

”اس میں میں وقت بگے گا۔“ اشran بالو پر شویش لمحتیں بولی۔

”تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔“
”بہت فرق پڑے گا۔“ اس دوران میں کئی طرح اگر یہ بات کھل گئی کہ وہ منہد کے امام کا بجا بجا ہے اور اکبر آباد کا باشندہ ہے تو لوگ ہمارے بے

میں کیا سوچیں گے۔

”یہ بات بھی قاعدے کی تھی۔“ مجھے اس پر غور کرنا پڑا۔ ”تم فکر نہ کرو۔ اب چیز سے سوچا۔ صبح لستی میں پہنچتے ہی پیش امام کو میرے پاس بیٹھ دینا۔“ میں نے بالآخر کہا۔

”تم نہ جانتے کون سی بے وقتو کو سمجھو؟“ نترن بولی اور مجھ غصہ آگی خود کو پتھر نہیں کیا سمجھنے لگی ہے۔

”اچھی بات ہے بودل چلیسے کرو مجھے کوئی سروکار نہیں ان معاملات سے۔“
”تم جس اُبین بپا کرتیں اور نہ یہ سب پچھہ ہوتا۔ خود جھکتا، مجھ نیند آرہی ہے۔“
”میں نے بستر پر لیٹ کر اُس کی طرف سے کردٹ کے لی۔“
”دوسری صبح اُس کامنہ پھوکا ہوا تھا، جیسے ہی فرش اُجھن نے آگ کو سلام کیا۔“

اُس پر برس پڑی۔

”مقین شرم نہیں آئی کہ اس عالمتہ میں ایسی بے ہودہ خواہش لے کر آئے۔“
”بھوکھیں اس کی براہت کیسے ہوئے؟“

”وہ سرخکھا تے کھڑا رہا اور وہ گھنی برستی رہی۔ عجیب ہی ڈھینٹ آدمی تھا۔ ابھی کچھی جست بھری نظر دوں سے یہری طرف دیکھ لیتا تھا۔ سمجھتا تھا شاید یہ میں اُس کی طرف داری کروں گا، لیکن میں خاموش ہی رہا۔“
”ٹانیتے میں ہمارا شرکیک ہوا تھا۔“ نترن بالو حرب مجنول کا دل چل گئی،
وہ میرنے قریب میٹھ کو میرے پاؤں جلانے کی کوشش کرنے لگا۔

”یہ کیا کر رہا ہے؟“ میں نے سخت لمحے میں کہا۔

”پھر کیا کر دوں۔ ان تدریوں کے علاوہ مجھے اب اور پچھہ نہیں دکھائی دیتا۔“
”ایسی بزرداری پڑے والی کے لئے یہ میں کیا کر سکتا ہمیں۔“

”برات آپ نے طری حوصلہ افزائی کی تھی۔“ وہ مروہ سی اواز میں بولا۔

”تو بہت تھکا ہوا تھا اور ہمیں بھی نیند آرہی تھی، لہذا قطعی طور پر بات ختم کرنے کے لئے میں نے یہری طرفداری کر دی تھی۔“
”میں تو پھر میں بھی آپ کے قدموں میں جان دیتے دوں گا۔“

لیکن بی بی صاحب مجھے اُن سے بہت دراگ تھا ہے۔ ”
”ہمیں بھی لگتا ہے کیوں کہ وہ راہ سلوک میں ہم سے بہت آگے ہے جو کہ
دیتی ہے وہی ہوتا ہے۔“

”وہ مجھ سے برگشہ ہے، غالباً میں خلوصِ دل نے اپنے کئے کی معانی مانگ
چکا ہوں۔“

”وہ معاف کر پکی تھی لیکن تو ہر اپنکا“

”میں کیا کر دوں میری سمجھ میں نہیں آتا، اُس کی صورت ہے تو اُن پر نقش
ہو چکی ہے۔ میلانا چاہوں بھی تو نہیں میسا سکتا۔“

”ادعا تباہ سے اداز آئی۔“ میں حاضر ہو سکتا ہوں یا الحضرت۔“ اور میں نے
آداز پہچان لی۔ فرض الخون کام ہوں، پیش امام فقیر الدین تھا۔ میں نے اسے باری باری
کی احیازت دی۔ لیکن وہ درداز سے ایں قدم رکھتے ہی ٹھکات گیا۔ باعقول
جلجھ پر نظر ٹھیکی۔ ارادہ نفیض الحسن بھی اسے دیکھ کر بدعاں ہو گیا۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں کی زبانیں ٹکڑے ہو کر رکھتی ہوں۔

”دونوں اموں جلدی بخراز دی کے لئے عام میں لیکن بھسکا کے لئے ایک
یعنی ہی نر آرہا ہو۔“

”لیکھ جاؤ۔“ میں نے اپنی آداز میں کہا۔ اور وہ بکھلا کر دوڑا لے بیٹھ گئے۔
بالکل ایسے اگ رہا تھا جیسے دو مینڈک ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہری
گھری سالیں لے رہے ہوں۔

”فقیر الدین“ میں نے پیش امام کو مخاطب کیا۔

”در ارشاد، پیر و مرشد“ وہ ہاتھ جو کڑک بولادا تھا۔

”لیکن اُس بستر دو پیٹے والی کے عشق سے باز نہیں آتے گا۔“
”میں کیسے باز آؤں“ وہ حیرت سے بولا۔ ”عشق کیا نہیں جاتا، ہو جاتا ہے۔
”میں کو پاکل کرنے نہیں کہا تھا کہ عشق میں میں مر گیا۔ افراد با ولاء نہیں تھا کہ تیشے
سے سرخ کر فنا ہو گیا۔“

”وہ دولت مند بات کی بیٹی ہے تیرے پلے کیا ہے؟“

”نقدِ حیان۔ یہی قربان کر دوں۔“

”وجا۔ اُسی کے در پر طیرہ ڈال دے۔ ہمارا تیر اکیا کام۔“
”اپ نے تورات فرمایا تھا کہ عشق بزاری یو عشق حقیقی کی طرف ہو تو ڈیں گے۔“
میں نے سوچا کہ بھاجا نہیں چھوڑے گا۔ اور حشرشن بازو کا حیاں آیا کہ اب کے
کہیں واقع کوئی حماقت نہ کر دیجئے اور ہم ہی ماڑے جاتیں گے۔ عصداً عقل کو خطر کر
دیتا ہے پہلے جو کچھ ہوا اُس کی بات اور حقیقی۔ اُسے سرکاری کوئی سمجھ کر نہ ڈالنا
چاہتی تھی، لیکن تھیقت کچھ اور حقیقی۔ کسی نسکی طرح بات بن گئی، لیکن اب دوسرا
تعامل تھا، کہیں فیض الحسن ہی اضطراب میں کوئی ایسی حرکت نہ کر دیجئے کہ ہم
کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں۔ آخر گاؤں واتک اسے کسی مرشد کا
فترستاہ سمجھتے تھے اور اس کی تصدیق بھی تھا۔ اسی تو سلطنتے ہوئی تھی۔
”اچھا۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”تو بھی کیا یاد کرے گا۔“

”جی، کیا فرمایا۔“ وہ چونک کر بولا۔

”کچھ نہیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ عشق بزاری کو عشق حقیقی میں منتبد میں
کرتا ہی پڑے گا۔“

”کچھ بھی کہتے بھے اپنے قدموں کے بعد ایسے جہاں کیجئے۔“

”ایسا ہی ہو گا۔“ میں نے کہا۔

”فیض الحسن اب تیرے کام کا نہیں رہا۔ اپنا لٹکنے کے بعد اس کی دُنیا
بھی بدل گئی ہے۔“
”ولل.. لیکن .. پیر در مرشد“
”اُس سمجھتے ہیں تو کیا کہنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ ہم نے اسے والپر
بھجوادیا تھا لیکن تو اسے کیا کرے گا کہ سارے تاریخ پر ہی سے ہٹتے ہیں یعنی
”میں نہیں سمجھا، پیر در مرشد“
”بن اشنا ہی سمجھ لے کہ تیرا جماں بجراست دیتا کے کام کا نہیں رہا۔ حکم ہوا ہے
کہ ہم اسے تعلیم کریں“

”زہے نصیب یا حضرت امیر ہے لئے تو باعثِ مرتبت ہے یہ بات“
”لیکن تو اپنی زبان بند رکھے گا۔ ایسا بن جائے گا، جیسے یہ تیرے لئے
بالکل اجنبی ہو۔ قبصے والوں کو تیرے اور اس کے رشتے کا علم ہرگز نہ ہونے
پائے“
”اپ کے حکم کی تعییل ہوگی۔“

”اویحی میں اس کا خال رکھا ہڑے گا۔“ میں نے فیض الحسن کی طرف
دیکھ کر کہا۔
”میں تو حکم کا بندہ ہوں یا حضرت“ وہ گھنیا کر لے۔
”میں نے پھر پیشِ امام سے کہا۔“ فیض الحسن پھر خواہ کسی حال میں نظر آتے
تھا ارض ہو گا اپنی زبان بند رکھے گا۔
”بع حکم ..“

”بس یہی بھنسے کے لئے ہم نے تجھے طلب کیا تھا۔“
اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ان کی موجودگی ضروری نہیں ہے شوہدُ الْحَدْرَ

آداب بجا لایا اور چلا گیا۔

فیض الحسن عرفِ مخصوصیان چونچ امتحانے میزی شکل تک خارہ تھا۔ میں

نے اپنے اٹھا کر کہا۔ ”اب تو سن۔ اے“

”لوکش برا آواز ہوں پیر در مرشد“ بڑی سعادت مندی سے بولا۔
لیکن نہیں۔ میں نے کہا۔ ”ابھی تو ہم سے کچھ نہیں بنے گا۔ ابھی تو ہم

جس سے میں گے۔“ میں کیا عرض کروں یا حضرت؟“

اپنے سارے کو الف سے ہم آگاہ کر۔

”بچھ جیسے اُدی کے کیا کو الف جوں کے شہزادہ تو ہوں نہیں۔ میں پہن

میں مرکی تھی۔ باب نے دوسری شادی کی طبقاً مختیار ہے۔ سوتیلی میں کم از کم سوتیلی

اولاد کے لئے تو خست یگر ہوتی ہے۔ سو میرے لفظ میں والدین کی سخت گیری

کے علاوہ کبھی اور کچھ نہیں رہا۔“

”کوالف سے میری مراد یہ تھی کہ اس ممزغہ کوشت کو کو دل کھلاتا ہے۔
اور کس کس کے قدر میں پر ڈال جکائے۔“

”یر تو یاد نہیں۔“ بڑی مخصوصیت سے بولا۔

میں اسے آنکھیں چھاڑ دیتا کر دیکھنے لگا۔ کتنی دھنائی سے اپنے دل

چھینک ہٹلے کا اعلان کر رہا تھا۔

”تیر سے اس جواب کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جہاں تو یہ اچھی شکل

دیکھی اور ذہیر ہو گیا۔“ میں گے غضبناک ہو جانے کی ادا کاری کرنے ہوئے

”قمر در دیش برخان در دیش۔“

”کیا کہنا چاہتا ہے؟“ میں اور زور سے بکرا۔ شہر ہوا تھا جیسے مجھ پر طنز کر رہا ہو۔ ”میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ غریب آدمی محبت کے معاملے میں بھی چرخ ہوتا ہے، جس سے محبت کرتا ہے اسے پتہ نہیں چلنے دیتا کہ محبت کر رہا ہے؟“

”میں سمجھ گیا۔ تیرا شغلہ یہ ہے۔“ اس نے پچھلے کے سجائے سر جھکا لیا۔ خود ری دیتے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”غریب آدمی کی محبت کا انعام ہو جاتے تو وہ بُری طرح مارکھاتا ہے، لیکن اگر کوئی سوداگر پر محبت کر میٹھے تو بڑی بڑی مشنویاں کھھ دی جاتی، میں جنہیں ایک زمانہ سنتا ہے اور اپنے ہی سرد خستا ہے۔“

”فصن الحن کی محبت اسی کا سرد ہنوا کر کر دیتی ہے۔“ اور پھر ایسا حضرت، پیر قریض قصیر ترسن از کاشیدا ہے جس صورت میں بھی ہون از ل کی جھکی لظائی اسی کے پیچے ہوتیا۔“ ”سبحان اللہ۔ کیا جزا لایا ہے اپنی اس بد بخشی کا؟“ میں نے دانت پیش کر کرہا۔

”مقدار کے ٹھوکوں میں کھلونا ہوں یا حضرت۔“ ”میری زوجہ کے سامنے ایسی باتیں سرگزشت کجھی وور جھیں لگانے کی گی؟“ ”خال دل ہر ایک سے ہیں کہا جانا یا حضرت۔ آپ اہل ول اظر آئے سو گوش گزار کر دی اپنی بتا۔“

”ہماری زوجہ عاشقی سے سخت لفت ہے۔“ ”اسی لئے ان سے میری زوج فنا ہوتی ہے۔ آپ ہی جیسے ذل الکرام ہے، ان کے ساتھ خوش رہنا۔ اسے بھی آپ کی کامت ہی سمجھتا ہوں۔“

”مرد و پر پڑ کر گیا تھا۔ خاموشی سے سہنی چڑی۔ اور پھر اچانک وہ بلائے بے درماں نازل ہو گئی۔ یعنی نترن بازو خلافِ معمون ہی تھا۔ فیضِ الجس کو میرے قریب ہی میٹھے دیکھ کر تیوریاں چڑھائیں اور بولی۔“ تو یہاں بیٹھا کیا کر رہا ہے۔ جا مزار شریف کو غسل دے ڈال۔“ وہ بوکھلا کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ میں جسم سوال بنا ترن کی طرف دیکھ جا رہا تھا، وہ میرے قریب اگر آہستہ سے بولی۔ رسول بخش بقال کی بھوپر شیخ سدو آ گیا۔

”تو پھر میں کیا کروں؟“ ”بس طرح میرا جن اٹھا رہا۔ اسی طرح اس کا شیخ سدو بھی اٹارو۔ میرے قابل میں تو نہیں آ، ہمیں ہے پھر کبھی شیخ سدو نہیں اٹھا، بن بھتوں کے تارے میں۔ شیخ سدو سے میری جان پھچان نہیں ہے۔“

”ضھول باتیں مت کرو۔ یہ آزادی کا دلت ہے۔“ ”اگر بُری بخشی شیخ سدو ہوا تو تمہیں تمیں ہی میرے اپر بے نہ اتا دے۔“ ”اڑتے ڈھونک ہے۔“ ”ٹھوکنگ کی کوئی خاص فیز؟“

”ساس بھو میں بُری نہیں ہے۔ وہ اپنے میان یعنی بقال کے بیٹے کو اپنے ان بات کے گھر کھنا چاہتی ہے۔“ ”ٹرا بخخت ہے کہ جو روکا کھنا نہیں ماتا۔“

”پالکی آرہی ہوگی۔ تم گاؤں چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“ ”یہ نہیں ہو سکتا۔ پھل کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میں اپنی بیٹھے سے برگ نہیں ہوں گا اور پھر ایک بقال کی بھو کے نئے۔ اسے یہیں لے آؤ۔“

”اے یہاں لانا ممکن نہیں۔ آپے سے باہر ہو رہی ہے جو کپڑے پہناتے
جائیں چرخاڑ کو چینک دیتی ہے۔“
”ارے۔۔۔ تب تو مجھ پلنا ہی پاہیتے۔ پاگلوں کی طرح کمجالتی بھی ہے
کیا جاؤ؟“

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔“ وہ حیرت سے بولی ”شم کیا جاؤ؟“
”میں کیا نہیں جانتا۔۔۔“ میں نے اکٹا کر کہا ”تو آخر مجھے کیا بھی ہے۔
لبس تقدیری امور ہیں کہ تیر سے پنجھے میں گزناز ہو گیا ہوں۔ اور دوسرے کی
صلحتیں۔ جب چاہوں تجوہ جلا کر خاک کر دوں۔“

”بس میاں صاحب، بیانے میں رہو۔“ وہ تیزی چڑھا کر بولی ”دیکھو
گی کہ اس کا شیخ سندوکس طرح آلاتے ہو۔ میرے بھن سے آشکت کھا
گتے تھے۔ اے ہاں، وہ پیش امام آیا تھا؟“

”ایا تھا اور جلا بھی گیا۔۔۔“
”اس تنشی کیا باتیں ہوتیں؟“
”ماقیں کیا ہوتیں۔ میں اسے سمجھا دیا ہے کہ فیض الحسن کے نام بالکل عینی
یہاں سے۔۔۔“

”تو کیا فیض الحسن اب ہمارے سرروں پر ہوا رہے گا؟“
”ابھی تو یہی صورت ہے۔ اس کے بارے میں جو کچھ بھی اعلان کرنا ہوگا،
جعارات کی مجلس میں کر دوں گا۔۔۔“

”اعلان کرنے کے کیا بات کا؟“
”یہی کہ فیض الحسن پورے تھے کی مجاہد دیا کرے گا۔۔۔“
”یہ کیا نات، ہوتی ہے؟“ اس نے مسحکار اذان کے اسے انداز میں پوچھا۔

”تو کیا جانے ان اسرار دو ہو زکو۔ پڑھ اس کی آنکھ کاٹے لگاؤں گا اور پھر تعلیم
کروں گا۔“

”تم تعلیم کر دے۔۔۔ سلک دیکھو اپنی۔۔۔“

”اپنی جد سے آگے نہ بڑھو۔۔۔ میں اس کا شیخ سند و امارتے سے انکار
کر دوں گا۔“

”خواہ موہا بات نہ بڑھاؤ۔۔۔ وہ آنکھیں نکال کر رہ گئی۔۔۔“

”میں تھبے کی طرف جانے کی تیاری کرنے لگا۔۔۔ عرصے سے اس بھگڑ سے ہلا بھی
نہیں تھا۔۔۔ خوشی ہوتی تھی، اس موقع پیدا ہی۔۔۔“ اور فیض الحسن کا مقابل
بھی تھا۔۔۔ میں اسے بزرگ دی پڑھے والی کی طرف تو بھر ہی نہیں دی تھی، جس پر وہ لٹو
ہو رہا تھا۔۔۔ بزرگ حال دھتھی، اس رسول بخش برقاں کی بیٹی۔۔۔ جس کی بھروسہ سند و ا
مارتے کی اطلاع میں تھی۔۔۔ میں سمجھ گیا کہ وہ بک مرض میں مبتلا ہے۔۔۔ اس کا احوال من کر

میں نے اسی لئے سوال کیا تھا کہ دیاون کی طرح جنم تو نہیں کھجاتی۔۔۔ جواب اثبات میں
ملئے پر مرغ کا اندازہ ہو گیا تھا اور ساختہ ہی اس کا اعلاج بھی یاد آگیا تھا، پونکہ
پسپن سے زخمی ہمک مختلف قسم کے پیشوں سے مندک رہ چکا تھا۔۔۔ اس لئے

ہیرت سے معاملات میں اچھے غردار لوگوں سے بھی زیادہ تجربہ کار تھا۔۔۔ ایک بھکم
صاحب کے عطا رخانے میں بھی کام کر چکا تھا اور ان کے طریقے ملاج پر بھی بیرون
غافر تو بہر دی تھی۔۔۔ وہ سارے امر افضل کا ملاج بہر دی بوٹیوں سے کیا کرتے تھے۔۔۔
مجھے تین ٹھاکر بقال کی بھونے پھول کے ساتھ سور کی دال بھی کھاتی ہو گی۔۔۔
اسی لئے بھول کے اس دورے سے دو چار ہوئی ہے۔۔۔

”میں نے فسترن بانز سے پوچھا۔۔۔ کیا پہلے بھی کبھی اس پر شیخ سند و
آیا تھا؟“

میں نے غیض الحنف کو آواز دی۔ وہ دوڑا آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ جو جرے میں
میری والپی کا استھان کرے۔

”یہ تو .. یہ تو غائب ہو گئے تھے حضور ..“ بقال نے درتے ڈرتے
کہا۔ میں نے بے پرواں سے جواب دیا۔ ”آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ قراوں
کو سکون کہاں نصیب ہے؟“

”جی حضور!“ وہ سعادت مندی سے سر بلکر رہ گیا۔

”اور ہاں .. یہاں کہیں تسلی بھی اگتی ہے؟“ میں نے اس نے
لپچا۔

”جی حضور بہت اگتی ہے، تالاب کی طرف۔“

”ڈھیر سارے پودے اکھڑا کر ساختہ لیتے چلو۔ اگر تالاب زانتے ہیں میں
پڑھتا ہوں۔“

”جی بہت اچھا۔“
کہاں دن نے پاکی ایٹھائی اور تسبیہ کی طرف چل چڑے۔ پاکی کے پچھے
نسترن بالوں کی ڈولی ہتھی۔ رسول بخش پاکی کے ساختہ کھڑے در در رہ تھا۔ کچھ دز
چلنے کے بعد اُس نے کہا۔

”حضرت پیاراں .. تسلی کے پودے ہے۔“

”بس تو ڈھیر پاکی اوز ڈولی ہیں۔ کھو کر کہاں دن سے کتو کو پودے اکھڑ
لیں؟“

ڈولی پاکی کے برابر ہی رکھ دی گئی اور رسول بخش کہاں دن کے ساختہ تکشی کے
پودے اکھڑا نے چلا گیا۔ ادھر شاید نسترن یا فو کے پیٹ میں پڑھے کو دی ہے
تھے۔ ڈولی کا پر زدہ ہٹا کر بولی۔ ”یہ سب کیا کھڑاں کھیلا دیا تم نے۔ یہ تسلی

”نہیں۔ پہلی بار آیا ہے۔“ چھپی رات سر میں چنبلی کا تیل ڈال کر چاندنی
میں چھپت پڑھی ہتھی۔“

”اور کھایا کیا تھا چھپی رات کو؟“

”تم تو بڑے پیچے ہوئے نہ ہو۔ از روئے کشف بتاؤ کہ اس نے چھپی رات کو
کیا کھایا ہو گا۔“ جعل کئے لجھے میں بولی۔

”بتاؤ! .. نبی!“ میں نے پھر بخشش لجھے میں پوچھا۔

”چلو رہنے دو ..“ وہ بُرا سامنہ ندا کر بولی۔

”اچھی بات ہے۔“ دہن جل کر بتاؤں گا۔

”تحوڑی دیر بعد یہ رئے تھے پاکی آگئی تھی اور نسترن بالوں کی ڈولی تو پیٹ
ہی سے موجود تھی۔ رسول بخش بقال خود تھا۔ پاکی کے ساتھ میں نے اُسے
محرے میں ملک کے مرلیخ کا حال پوچھا۔ اس نے چھپی چنبلی کے تیل اور
چاندنی رات کا تقصیہ شروع کر دیا۔“

”چھپی رات اس نے کیا کھایا تھا؟“ میں نے سوال کیا۔

”چھپی کھائی تھی شاید۔“ حضور۔

”ادھر سوکی دال بھی۔“

”جی حضور!“ دوسرے دورہ پڑا تھا۔“

”گریا چھپی اور سوکی دال ساختہ کھائی تھیں۔“

”جی حضور!“

”پہلے بھی کھی لیا دورہ پڑا تھا۔“

”نہیں حضور۔ پہلے تھی نہیں ڈیا۔“

کے پڑے کیوں؟"

"شیخ سدو کو کھلاؤں گا؟" میں نے کہا۔

"کہیں بھدڑے ہو جاتے۔"

"جسی بھدڑے سے مغلے میں ہوتی تھی؟" میں نے کہا۔

"خیر دیکھوں گی۔"

"دیکھے گی کیا۔ شیخ سدو کا باپ بھی میرے علاقوں میں قدم نہیں رکھ سکتا۔

"یہ دوسرا معاملہ ہے۔ نامکامی کا سامنا کرنے کے بعد کے لئے بھی کوندر سوچ رکھنا۔" اچھا اچھا۔

"تو بھی کچھ کر سے گی یا سب کچھ میں ہی کرتا رہوں گا؟"

"تمہارا تو کچھ نہ کچھ ضرور کروں گی۔ اگر اس کا شیخ سدو نہ آتا رکھے۔"

"تو بھی مجھے شیخ سدو ہی کے گھرانے کی معلوم ہوتی ہے۔"

"زبان کو لگانہ دو۔ اگر کسی نے ہماری گفتگوں لی تو مزہ آجائے گا۔"

خطوٹی دیر بعد وہ ملی کے پودوں کا گھر لیے ہوئے واپس آئے۔

اور ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ تھیسے میں میری پالکی پینچی تو لوگ گھروں

سے نکل آئے۔ پہلی بار میں نے اسی میں قدم رکھا تھا۔ وہ لوگ نے خذنوش

تھکے اور تھیز بھی پھر جب انہیں معلم ہوا کہ بقاں کی بھوپر شیخ سدو آگیا ہے۔

تو تماشا ہیوں کی حیثیت سے اس کے گھر کے آس پاس اکٹھے ہوتے لگا۔

بہگویا میرا اور شیخ سدو کا معمر کہ دیکھنا جاہستے تھے۔

بقاں کی بھوپر بار بار بہمنہ ہو جاتی تھی، اس لئے اسے ایک کھڑی میں

مند کر دیا گیا تھا۔

میں اور نترن یا ذکھری کے دروازے کے قریب چاہٹرے ہوئے اور اس پاس کسی کو بھی نہ رہنے دیا۔ میں نے نترن بانٹے کہا کہ وہ تسلی کی پیشان ڈنٹھلوں سے الگ کرائے اور انہیں سل پر بسراڑا لے۔

"کیا کرنے جا رہے ہو؟"

تسلی کی پیشان پسوا کرائے بلوادن کا اور اسی کا لیپ اس کے سارے جسم پر لکھا جائے گا۔

یہ شروع کر دیں۔ بیوقوفی کی باتیں تذہبیہ سے بولی۔ تم سمجھم ہیں ہو، معاشر رومنی ہو۔ اگر یہ کوئی مرض بھی ہے تو ان پر قطبی ظاہر نہ ہو فر دو۔

"چھر میرے آنے کا نامیدہ ہی کیا؟"

تم بچھ بھی کوئے کر دیں گی۔ توں کا لیپ بھی ہو جائے گا اور اسے پلوا بھی دوں گی، لیکن تم شیخ سدو ہی کو لکھا تے رہنا۔

بات عقل کی کی تھی اس نے غور کرنا ہی پڑا، واقعی میں کوئی بلیں تو تھا نہیں یا مان داں تو محض اس بنا پر تھا کہ وہ لوگ بھجے ہوئے خدار سیدہ آدمی بھتے تھے۔ غالباً وہ ٹھیک ہی اُستی تھی کہ میری حیثیت بنائے رکھنے میں اسی کا ہاتھ ہے۔ اگر عین دلت پر سمجھائی نہ رہے تو میں ذوب ہی جاؤں۔ بس میں نے کھڑی کے دروازے پر اٹھ مار کر اوپنی اوڑیں کنا شروع کیا۔ اویش سدو۔ اویسے حیا۔ تھے جرأت کیسے ہوتی کہ ہمارے علاقے میں قدم رکھ سکے۔ ابھی تیرا تلح قمع کرتے ہیں۔

بیمار شدہ۔

نترن بالوچکے سے کھک گئی۔ شاید تسلی کی پتیاں پسوا نے گئی
ہتھی۔ میں شیخ سندو کو بیلکار تارہا۔ اور یے جیا، شیخ سندو۔ کتنی بارہارے
ماہیوں سے پڑ پچاہتے ہیر ہجی باز نہیں آیا۔ وہ تو جا اس بارجھے سبز کفن
میں لپسیٹ کر دریا بردا کریں گے۔

بقال اور اس کے اہل خاندان دور کھڑے تھے۔ ان کے خہروں پر
ہوا تیاں اڑاہی تھیں۔ میں ان کی طرف رونگ کر کے کھڑا ہو گیا کہ ان میں ایک
ماہقا بھی نظر آتی ہتھی۔ اگر سبز دوپٹے والی دہی تھی تو فیض الحن اپنی دیواری
میں حق بجانب تھا۔ خود میرے دل میں گدھ دیاں ہو راہی تھیں۔ جس ایٹم
میں تو کئی کی جانب بھی خصوصی توجہ نہیں دے سکتا تھا ایک جو خورستے اسے
دیکھا تو تالوں خمکب ہونے لگا اور کپٹیاں پھینے لگیں۔ پتہ نہیں نام کیا ہے، اس
گلغمدار کا۔ میں نے رسول بخش بقال کو اشارہ نے سے اپنے قریب بلایا
اوہ بولا۔ اپنی بیٹی کو نہیاں سے ہٹا لے جا کہیں شیخ سندو بھائی تھے جنکے
اس پر وارنڈ کر جاتے۔

”بہت اچھا حضور۔“ وہ ہاتھ جھوٹ کر بولا۔
”ادڑاں۔۔۔ بھر۔۔۔ کیا نام ہے اس کا؟“
”بھر، حضور۔“
”کسی سے منسوب ہو چکی ہے؟“
”نہیں حضور۔“
”ہم سے مشورہ کے بغیر کسی سے منسوب نہ کیجو۔“
”جیسا حکم حضور۔۔۔“
”بس جا۔ اسے پڑوس میں کہیں بھجوادے اور ہاں تسلی کی پتیاں جلاز جلد

لائی جائیں۔“
”وہ چلا گیا اور میں چھر کو ٹھری کی طرف منزکر کے شیخ سندو کو لکھاڑتے لگا۔ اب
بھاگ کر کہاں جائے گا یہ جیا۔ آج تیری ایسی درگت بنائیں گے کہ یہر کبھی اس
لبستی کا رخ تھکر سکے، سبز کفن تیار ہو رہا ہے تیرے لئے۔ اندرا بقال کی بھرچختے
لگی۔ بشایر چھر کھلی کی اسرا اھٹی تھتی۔ یہی اندر سے دروازہ پیٹی اور کبھی گھر والوں کو
پکھا رہتے لگتی۔

انتہے میں نترن بالو تسلی کی لیسی ہوشی پتیاں لے کر آگئی اور میں نے اس
بے زخمیا کیا تو تھنا اب سے قابو میں کر کے اس کا لیپٹ اس کے جسم پر کر سکے
لگی۔“

”مجھ سے یہ کام نہ ہو گا۔“ وہ کاذوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
”تو پھر کیا میں لیپ کروں گا۔ آج ہی جو شتے بھی لکھوا دینے کا رادہ
رکھتی ہے کیا؟“
”آہستہ بولو۔۔۔“

”مد کے لئے دو انا عورتیں بھی شاہد ہے لے، اس کے بغیر کام
نہیں چلے گا۔“ میں نے کہا۔

”تم خود ہی بقال سے کہو کہ میری مد کے لئے دو عورتیں فراہم کر
دے لیکن مجھے یقین نہیں ہے کہ کوئی اس پر تیار ہے، مجھی تھی ہوتی ہیں۔“
”نترن بازو کا خیال غلط نہیں تھا۔ بڑی دشواریوں سے بستی کی عورتیں
اس کا ہاتھ ٹھانے پر تیار ہوئی تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں
تو موجود ہوں۔۔۔ بھروسہ کیوں دُری۔ میں شیخ سندو کو اتنا ہوش ہی نہیں
رہے گا کہ بقال کی بھوک بھوڑ کر کسی اور پر عملہ اور ہو سکے۔

وہ باہم جو طریقہ کر دیا۔ ابھی یہ بات تھی سے والوں کو نہ معلوم ہونے پائے ہے
”کوئی بات ہے؟“

”یہی سورکی دال و دالی۔ اگر قبیلے والوں کو معلوم ہو گی تو وہ بھی کہنا چھڑدیں
گے۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی۔“

”یہ زیرِ اقصیان ہو جائے گا حضور۔ وہ بوزیاں بھری رکھی ہیں۔ میں تو
بر باد ہو جاؤں گا۔“

”اگر یہ بات ہے تو داعی ابھی اس کا اعلان تھا ہونا چاہیے۔“

”اُن چھنور۔ اس کے بعد میں خوبی دن گاہی نہیں۔ پھر آپ بتا دیجئے
اچھی بات ہے۔ ابھی کھانے دے قبیلے والوں کو سورکی دال۔ ارسے ہاں
مہرو کو کہاں جھوٹ آیا۔“

”جی پڑوسن میں۔“
”بھروسات کی جماعت درگاہ میں میچ دیا کر۔ ہمیشہ کے لئے مصوبو می
ہو جائے گی۔ بلاذن سے محفوظ رہے گی۔“
”بہت اچھا حضور۔ وہ صدر حاضری دے گی۔ میں خود لایا کروں
گا۔“

”چھوڑی درجہ دسترن بانوان دلوں عورتوں کے ساتھ کو ہٹھی سے
بیانند ہوئی۔ سماں گیا؟“ اس نے جسے صدرست کے ساتھ مجھے اور
لقال کو اطلاع دی۔

”پلا عجی وی علیٰ نا ہے،“ میں نے پوچھا۔

بہر حال وہ کسی نہ کسی طرح اندر گئی تھیں۔ میں نے دروازے پر ہاتھ رکھو
کر ہنڈوں ہی ہنڈوں میں مدد انسان شروع کر دیا تاکہ دور سے دیکھنے والوں
کو معلوم ہو کر میں کچھ بڑھ رہا ہوں۔

اندر سے دھینگا منٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ لیکن چار جلد
ہی سکوت طاری ہو گیا۔ شاید نترن باونے دونوں عمر اوس کی مدد سے
اسے قابو میں کر دیا تھا۔ مجھے مقین تھا جیسے جیسے مسی کا یہی، ہو گا جلد
پڑھنڈ ک پڑتی جاتے گی۔ کچھی کم ہو گی اور ملیٹری کے لئے قراری اور بے صیغہ
میں بھی کمی آتی جاتے گی۔ میں نے بھاول کو پھر انشادے سے اپنے تربیت
تربیت بلایا وہ لڑکہ راتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھ آیا۔ بڑی طرح
کا شپ رہا تھا۔

”ات بھرا نے کی کتنی بات نہیں۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ ”وہ
تاکہ میں آگیا ہے، لیکن یاد رکھ، آج سے ترے گھرانے میں سورکی دال
باالکل نہ آئے۔“

”وہ تیرت سے میری شکل تکرے لگا۔“
”گہ میں باندھ لے یقینیت سورکی دال باالکل بستہ اور بھی
والیں ہیں دوینا میں۔“

”بہت اچھا حضور۔“
”لگوں کو نہیں معلوم کر شیخ شرد بھی سورکی دال پر پلا ہے کسی
کو کھاتے دیکھ کر اس کی راں پکنے لگتی ہے۔ اگر وہ دال اس آدمی کے
برتن میں پیک گئی جو کھارا ہوتا ہے تو وہ توں آگیا اسی پرشیخ شرد۔“
”میں بند کر دوں گا حضور۔ اب کبھی نہیں پکے گی، لیکن حضور۔“

”ہاں، لیکن بڑی دشواری ہوئی تھی اور اب تو وہ گھری نیند سور ہی ہے۔“
”سوگتی؟“ بقال نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں سور ہی ہے۔ اسے طبعی رجھکایا جاتے۔ نیند پوری کرنے کے خود ہی اٹھے گی۔ کوٹھری میں کوئی مرد نہ جاتے“ صرف عورتیں دیکھنے کے لئے جاسکتی ہیں کہ وہ حاگ تو نہیں پڑی ی۔“

”اور ہاں۔ یہ بھی من۔“ میں نے بقال سے کہا۔ جب باغے نومند کے پانی سے غسل دلوادیجتو۔ ابھی سے نندل گھسو اکر کھلے ی۔“

”بہت اچھا خضور“ فرمائی۔ اس تقیت سے پنپ کر باہر نکلے تو مکھیا ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اب تقیتیں

میں تشریف آوری ہوتی ہے تو غریب خانے پر بھی قدم رنجھ فرمائیے۔“

”ہاں نے نشنن بالوں کی طرف دیکھا اور وہ طریقے بولی۔“

”ہاں ہاں۔ کیا حرج ہے۔ مردوں میں گے۔ تم سے زیادہ اور کون ہر سکتا ہے۔ وہ تو اس قابل ہی نہیں بھی کہ درگاہ میک جاسکتی۔ اس لئے میاں صاحب کو تکلیف کرنی پڑی۔“

”اور ہم تو خلن خدا کی خدمت ہی مکے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔“ میں نے ٹھہر دی ساتن لئے کر کھلای۔

مردوں کو ایک بار اور دیکھے بغیر دہاں سے ملنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی موبہنی مورت باز بار آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ کیا کیلئے ابرد تھے۔ کیا مخمور انکھیں تھیں اور ہنپٹ تھے تیانگت کے کی تائیں۔۔۔ اور وہ مرد و مرد ہوتے اس چاند کے مکروٹے پر عاشق ہوا تھا۔

میں نے بقال کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اب برد کو ملا۔ اس پر کچھ دم کرتا جاؤ۔“
”..... یہ اچھا نہیں ہوا کہ شیخ سعد نے تیرا گھر دیکھ لیا ہے۔“
وہ چلا گیا اور میں نے لکھیوں سے نشنن بالوں کو دیکھا تو اسے اپنی نہیں
جا بنت آنکھیں پھاڑ کے نکھار پایا۔ ۔۔۔ پھر سکھیا نے دنیافت عال کے لئے
اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بقال کی ہو یہ کیا گزری۔
”بس کچھ بوجھ تو نشنن تے پیشانی پر باتھ کھ کر کما۔“ رسول بخش کی تقدیر
اچھی تھی کہ میاں ماساب بن جھرے سے باہر لکھا نظر کر لیا۔ ۔۔۔ ورنہ تو
مزہی جاتی۔“

ابتنے میں بقال ہر دو کے کر آیا۔ مردوں کے مجھے میں اس طرح شرما تھی
لختی آئی کہ میرے ہوش دنوں تو بالکل ہی جاتے رہے۔ بڑی شکل سے
خود پر تار پایا اور آہستہ آہستہ کچھ پڑھنے کے سے انداز میں ہونٹ ہلانے لگا۔ پھر
اس پر بچھکیں مار کر بولا۔ ”بس بے جا۔ خدا نے چاہا تو یہ بالکل حفظ رہے گی۔“
اور ہاں جب تیزی ہو گئی تو جاگے تو میں اس کے حوال سے آگاہ کیجو۔“
بڑی بیڈ دلی سے روکنگی ہوئی۔ اب بیری پاکی اور نشنن کی دو لمحیاں
جو یہی کی طرف جا رہی تھی۔ دیلان خانے میں مجھے اتارا گیا اور نشنن بالوں ناچانے
میں چلی گئی۔

”مکھیا ہاتھ جوڑ کر دلا۔“ خضور اگر کچھ عرج نہ تو دو پہ کا کھانا بین ماریں
فرمایں۔“

”کوئی بصنائف نہیں۔ تمہارا کتنا قوم کسی طرح قمال ہی نہیں سکتے۔“
”میری خوش نسبیتی سے خضور۔“

”اور ہاں ہما را دہ شاگردیں نے درخت سے ایٹ لیکٹ کر جما رہے۔“

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ میں اس کے چہرے پر سراسیکی کے آثار دیکھ کر گھبرا گیا۔

”ہمنان گڑھی والوں نے چڑھائی کر دی ہے۔ وہ ماپنی ہوتی ہوئی۔“

”تو تجھے اتنی پیشانی کیوں لاحق ہو گئی ہے؟“

”کہاں جاگ نکلے ہیں۔“

”جاگ جانے دے۔“

وہ اور قرب بُب اکر آہستہ سے بُلی۔ تم نہیں جانتے اگر ان کی جیت ہو گئی تو سب سے پہلے حیری ہی زد میں آتے گی۔ لوٹ مار کر کے آگ لگادیں گے۔ ہماروں کی بے عزتی کیوں کے؟

یہ شہنتے ہی میرا غرب خون جوشیں میں آگیا ہے اور اٹھتا ہوا دھراڑا کیا بکتی ہے۔ ہماری زندگی میں یہ ناممکن ہے کہ کوئی اس نویل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

”بنیں۔ بیٹھے رہو۔“ ”وہ برا سامنہ نباکر بولی۔“ یہ دشخ سندھ نہیں ہے کہ بنسی کی بیتوں کے لیپ سے جاگ جائے گا۔ باہر خون کی ندیاں بہر رہی ہیں۔

”لا۔ ایک تلزار بھے لاد ہے۔“ میں تے خونخوار بھے میں کہا۔ ”بُست زیادہ اترانے کی مزدورت نہیں ہے۔ چب چاپ بیٹھے رہو۔“

”لترن اس وقت ترنے اپنی بات اوپنی رکھنے کی کوششی، تو زندگی ہر ہر بھتائے گی۔“

کیا تھا۔ وہ پھر دلپیازی آگیا۔ اس کا کہانا غالغاہ ہی سمجھوادیتا۔“

”بہت بہتر صورت۔ وہ کہاں چلے گئے تھے۔“

”سیلانی آدمی ہے لیکن اب ہم لے ایسا باندھیں گے کرمل بھی نہیں دیں کہ ہمارے بعد علتِ خدا کی نذرست کر سکے۔“

”یہ توڑی اچھی بات تو گی صورت۔“

”تمیں اس علاقتے سے بُست ہو گئی ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے بعد بھی اس کا کوئی رکھا لا رہ رہے۔“

”کرم۔ کرم۔“ ”حضور۔“

”حضوری دیر بعد درستِ خوان بچا دینا کیا تھا۔“ مسکیا نے گاؤں کے کچھ اور لوگوں کو بھی کھانے کے لئے رُدک لیا تھا، لیکن میرا دل اب اس میں بھی نہیں لگ رہا تھا کہ لوگ میرے آگے بچھے جا رہے ہیں۔ باہر بیٹاں بھومن

میں مہروں کی صورت بھر جاتی تھتی اور نیشن الحسن پر عصت آئے گناہات۔

کھانے سے فراغت کے بعد مسکیا نے درخواست کی کہ حضوری یہ

دوہیں آرام بھی کر دوں، در اسلیں میری بھی یہی خواہش تھی کہنے لکھ دو پر کے کھانے کے بعد بچھے ہلا جھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن یہ یہ کے بعد عنودگی بھی نہیں آئے یا تھی کہ جیٹ طرح کا شور نشانی دیا۔ جو نکت کر اٹھ ٹھیا جویں

کے اندر بھی شور ہو رہا تھا اور باہر سے بھی شور نشانی دے رہا تھا۔

یہ دیوان خانے میں تہوارہ گیا تھا۔ کس سے پوچھتا کیا ہو رہا ہے

خود اٹھ کر باہر جانا شایان شان نہیں تھا۔ اسی حضن یعنی کے عالم میں بھیجا تھا کہ نسترن باذ افتال دخیراں دیوان خانے میں داخل ہوئی۔

اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا لیکن اس بار میرا صفحہ کے نڑاڑا
کی کیونکہ میں نے جو کچھ بھی کہا تھا، پوری تحریکی کے ساتھ کہا تھا۔
”تجھے معلوم ہو گا کہ مکھیا کا اسلو خانہ کہاں ہے، معلوم ہو تو سکھیا کی
بیوی سے کہہ کر مجھے ایک تلوار لادے“
وہ دم بخود کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ ایسا لگتا تھا، جیسے اس کی قوت
نصلی حباب دے گئی ہے۔

ٹھیک اسی وقت مکھیا کی بیری دیوار خانے میں داخل ہوتی بہت
خوبزدہ معلوم ہوتی تھی، آتے ہی جھک کر سلام کیا اور دریافت حال پر
گڑا گڑا نہ لگی۔
”خدا، ہی عزت رکے ہم امن دامن سے رہنے والے لوگ ہیں۔
ہنومان گڑھی والے پاگل ہوئے ہیں۔“

”لیکن انہوں نے چڑھائی کیوں کی ہے؟“
”خدا ہی جانے۔ ہم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ناہے انہوں نے
حال ہی میں دو ترک ملازم رکھے ہیں۔ سارا کیا وھر انہیں ترکوں کا ہے درست
ہنومان گڑھی والے تصرف پر جا پاؤ کرنے والوں میں سے ہیں۔ اب یہیں
لطائی بھڑائی سے کیا کام جب سے یہ دونوں ترک آتے ہیں، آس پاس
کی جاگرروں پر پڑھائی کرتے رہتے ہیں۔ گھروں میں آگ لگادیتے ہیں
اور بیتوں میں لڑکے مار کرتے ہیں۔“

”جلال الدین محمد اکبر کے دور میں ایسا اندھیر“ میں نے غصناں کے
ہو کر کہا۔ ”وہ خدا کو یامنہ دلکھائے گا۔“

”میں نے ناہے کہ ان ترکوں کے ڈر سے کوئی بات دریافت کی پہنچ

ہی نہیں پاتی“ سکھیا کی بیوی نے کہا۔
”اب پہنچے گی۔ مجھے ایک تلوار لادے“
”اُن۔ ٹلم کے خلاف انہیں بھی تلواز اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے
جو تنکوں کا بوجھ بھی نہ سہا رکھتے ہوں۔ میں دیکھوں گا ان ترکوں کو۔“
”میاں صاحب، یہ حرب دشرب کے معاملات میں ”نشتن بازنے“
دخل اندازی کی اذر میں اسے تھر آلوہ نظروں سے گھوڑا ہوا لو۔
”بی بی صاحب، ہم پر جو احوال گزرتے ہیں۔ ان سے تم بھی پوری طرح فاتح
نہیں ہو اور ہم مغل ہیں عرب ہیں، ہر عرب پیدا شی جنگ جو ہوتا ہے۔
خدا اسے حرب دشرب کے زمزے سے آگاہی ہو یا نہ ہو، مناسب یہی ہو گا
کہ تم اس معلمے میں داخل نہ رہو۔ ہم اپنے دوست کو مصیبت میں دیکھ کر
خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔“
”نشتن بازنے متھلا کر سر جھکایا۔ مکھیا کی بیوی کی موجودگی میں اس
انداز کی بکواس نہیں کر سکتی تھی، جیسے عموماً میرے سلسلے میں کرتی ہی
بڑی تھی۔
”دفعہ“ ایک زخمی آدمی دیوال خانے میں گھس آیا۔ مکھیا کے پا ہوں
میں سے معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ مکھیا زخمی ہو گیا ہے، لیکن
حمد اور دل کے تعابے میں ڈھانا ہوا ہے۔ مکھیا کی بیوی نے سیکنٹا شروع
کر دیا۔
”ترجیح تو زخمی ہے۔“ میں نے پیا ہی سے کہا۔ لا اپنی تلوار مجھے دے دے
”آپ۔۔۔ تلوار۔۔۔!“ وہ ہکایا کارہ گیا۔
”جلدی کریں میں ڈیپٹ کر دیواں اور اپنے نے بلا کھلا کر تلوار میرے ہولے

کردی۔

تلوارے کر میں دروازے کی طرف چھپا ہی تھا کرنٹن بالائی بھٹے پسے ہی دروازے پر پیچ گئی اور میری راہ روک کر آہستہ سے گلیائی میری بات مان لو۔ مت جاؤ۔ میں قسم کھانی ہوں کہ اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی، تمہاری ہڑت بات ماں لے گی۔

میں اسے دھکا دنے کر باہر نکل آیا۔ میرا بھراں خون جوش مازدہ تھا اپنے آپے میں نہیں رہا تھا۔ تیر کی طرح ادھر ہی نکلا چلا گیا۔ جھر سے شورستائی دے رہا تھا۔ اور پھر ٹھیک اسی بجگے جا پہنچا جہاں یہ ہنگامہ پڑتا تھا۔ غنیم قبیلے والوں پر دباؤ ڈال رہا تھا اور وہ پچھے ہٹ رہے تھے۔ کہ میں نے بعروں بلند کر کے کہا۔ ”مت گھرنا ہم آتی گئے ہیں“۔ انہوں نے میرے ہاتھ میں تلوار دیکھی تو خود بھی غفرنے لگا کہ غنیم پر ٹوٹ پڑے۔ بالکل الیسا ہی گت رہا تھا جیسے اچاہک سوتے اسے جاگ پڑے ہوں۔ بحالت پسپائی ان کا یہ عمل غنیم کے لئے بوکھلا دینے والا ثابت ہوا اور اب وہ پچھے ہٹنے لگے۔ میں صنوں کو چرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جیسی و شست ذہن پر طاری تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے مجھ پر کشت دنوں کا دادو پڑ گیا ہو۔ میرے اس انداز نے قبیلے والوں کا مزید دل بڑھایا اور وہ بڑی بنے جگکری سے اڑنے لگے۔

دفعہ مجھے حملہ آؤ دوں میں ایک جانی پچانی سی شکل نظر آتی۔ پھر ایک اور آدمی شناساً مسلم ہوا کہیں ایہیں دلوں ترکوں کا ذکر تو نہیں کیا تھا، مکھیاں بیوی نے۔

میں نے ان دلوں کو پچان لیا۔ ایر قطبہ تعالیٰ خان کے ان سامنے

تھا جیسے پہلی بار مجھے دیکھا ہو۔ میکھیا کی جیلی میں دالپی ہوتی۔ نترن بالوں پل پل کی خبری منگاتی رہی تھی۔ میرے سامنے آئی تدالیٰ حالت میں کہچرہ شستا ہوا تھا۔ ہنڑوں پر پیٹریاں جبی تھیں اور خاموشی سے مجھے ایسے انداز میں دیکھ جا رہی تھی کہ لاکھوں شکوؤں سے بھری ہوتی ہو۔ لیکن بھلا ہو اُس بھیڑ بھاڑ کا دہنہ کبھی کی چھٹ پڑی ہوتی۔

مجھے یقین تھا کہ آج رات بھروسے نہ دے گی۔ میں بڑی تھکن خبرس کر رہا تھا۔ جسمانی مشقت کا عادی نہیں رہا تھا۔ اتنی جھاگ دوڑ کرنی پڑی تو جی نڈھال ہو گیا اور اب تو لیٹ ہی مانا چاہتا تھا لیکن آرام کہاں۔ دلپی میں پالکی اور ڈول کے پیچھے ایک اڑ دھام چلا۔ غالقاہ میں بیخ کر جبی پل بھڑ کے لئے لیٹنا نصیب نہ ہوا۔ بدجنت، قوال بھی ساتھ لائے تھے میرے گرد حلقة کر کے بیٹھ گئے اور میں ذہنی انشاد کو کرنے کے لئے جھومنے لگا۔

پہلے کچھ دیرگوٹیاں ہوتیں اور بھر طبلے پر تھا پتھر۔ تو ای شروع۔ ایسا جھلا جھلا کر جھوٹا ہوں کہیں۔ لیکن قوالی دیرتک جاری شرہ سکی۔ کیونکہ نترن بالوں کو خستہ آگی تھا۔ اُس نے میکھیا کو لکھا کر کہا۔ اُس اب ختم کرو میاں صاحب کو آ تو ہوش نہیں ہے اور تم لوگ پاکی ہو گئے ہو۔ خاصاں خدا۔ بھی پھر کے بنے ہوتے نہیں ہوتے۔ انہیں بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اللہار کے ساتھ ہی قوالی ٹک گئی اور لوگ ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ اور میرا خون نشک ہونے لگا کہ تخلیہ ہوتے ہی میری شامت آ جاتے گی۔ سب چلے گئے لیکن فیض الحسن اپنی بچھے بڑھا۔ نترن بالوں جھپٹ کر زنانہ مجرم سے سے برآمد ہوتی، لیکن فیض الحسن کو دیکھ کر پہلے تو ٹھٹکی بھر غُرماً تی۔ تم بیان کیا کر رہے ہو۔ پلو جاؤ اپنے ٹھکانے پر۔ ٹھکانے سے

ادھر ہدا یہ کہ جیسے ہی یہ خبر تھیسے میں شہور ہوئی کہ ”امن شاہ“ بھی تواریخ پیش کرنے کے لئے ہے ہیں تو بچھر پتھر جوش میں ہمرا ہوا۔ لگھر سے نکل پڑا۔ وہ بولٹ سے جو لپ گور ہوا رہے ہے، وہ بھی لھٹا ٹیکے اور فیض پر سب وشیم کی بوجھاڑ کرتے میدان کا زبار میں آپنے۔

میکھیا کی قدر زمی ہو گیا تھا۔ دلوں تراویں کو میری پابوسی کرتے دیکھ کر آگے بڑھا اور انہیں اٹھاٹھا کر بغلگر ہوتا ہوا بولا۔ ارتے تم تو پیر بھاتی ہو ہمدا۔ سب کچھ تھارا ہے جو دل چاہے لے جاؤ۔

”ہم شرمندہ ہیں، بھاتی“ اُن میں سے ایک بولا۔ ”اب اور شرمندہ نہ کرد۔ نادالٹھی میں ہم سے جو غلطی سزد ہوئی ہے، اس کے لئے جو نزاکا ہو دے لو۔ ہم سے حرث شکایت نہ سنے گے۔“ تکلفات کے اس تباہی میں خاصاً تبت گر گیا۔ آخر خدا اندک کر کر قراویں کی وہ ٹوٹی دہاں سے رخصت ہوتی۔

قبیسے والوں کا یہ عالم تھا کہ میرے آگے بچھے جا سہے تھے۔ ایسا لگتا

مراد مزار شریعت کا ساسائیان تھی۔ وہ دہن پڑا رہتا تھا۔ بچارہ چپ چاپ اٹھا اور رخصت ہو گیا۔

لشتن نے دروازہ بند کر کے کنڈی لکھی اور کمر پر دلوں ہاتھوں کے مجھے گھرتی رہنی انداز لیا ہی تھا جیسے باقاعدہ کشی راستے کا راہ رکھتی ہو۔ میں نے بھی اپنی آنکھیں تھر آؤد بنا نے کی کوشش کی۔

”میں نے قسم کھائی ہی کہ تمیں مارڈن گی“ دہ بالآخر بولی۔

کیا بخواں ہے؟“

”اُس نے آگے پڑھ کر مل تو گھما دیا۔ میں نے ستر بجھے مٹایا لیکن پھر بھیر ہی خاموش ہو گیا۔ مل تو گھر کیوں نہیں۔“ وہ جملہ پڑا کہ جھٹپٹا تھام کر جھٹکا دیا تو یورا کر فرش پر آگزی اور پھر جو میں نے اُسے لا لوں اور گونوں پر کھا ہے تو ”اُرے اُرے“ کے علاوہ اور کچھ بھی نہ اُس کے منزہ نہ نکل سکا۔

پھر وہ کسی طرح چھوٹ ٹھاگی اور زنانہ جھوٹے میں گھسن کر اندر سے کنڈی لگای۔

”کھوں دروازہ۔ آج تجھے زندہ نہ چھوڑ دیں گا۔“

ٹھیک اسی وقت شاد فیض الحسن نے بیرونی دروازہ پینا شروع کر دیا۔

میں نے جھپٹ کر دروازہ کھولا۔ فیض الحسن ہی تھا۔ میرا غصہ اور پیر ہو گیا۔ گریبان تھام کر اُسے اندر کھینچ لیا اور پھر جو مارٹھے دھوپی پاٹ تو ہرام سے فرش پر آگزی۔

”اُرے اُرے اُرے۔“ بدقت تمام اُس کی زبان نہ نکل سکا۔

میں اُس کے سینے پر سوار ہو گیا تھا اور گاؤں پر چھپڑا رے جا رہا تھا۔ وہ دیکھنے میں ہٹا کر معلوم ہوتا تھا لیکن انتہائی وقت صرف کرنے کے باوجود بھی مجھے اپنے اوپر سے نہ ہٹا سکا۔

آفرے بے بسی سے چھینے لگا۔ ”مر جاؤں گا پیزو مر شد۔ ارے میراقصور۔ میراقصور بھی تو بتائیتے۔“

”ولکا حرام۔ خانقاہ کو عشق بازی کا اڈا بناتے گا۔ زندہ نہ چھوڑ دیں گا۔ تجھے۔۔۔“ میں ہانپتا ہوا بولا اور میرے ہاتھ چلتے رہے۔۔۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ پڑھے ہی کیوں نہیں۔“ وہ جملہ پڑا کہ بھیر ہی خاموش ہو گیا۔ مل تو گھر پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیتے۔ آنکھیں بند ہو گئیں جھر کے سختی سے پیغام لگتے۔۔۔

اچانک لشتن بانو اپنے چھرے کا دروازہ کھوں کر نکل اور کچھ بھی نہ اُس کے بولی۔ ”اُرے کیا مار ہی ڈالا۔“

میں اُسے چھوڑ کر ہٹا اور چھرے سے باہر آگیا۔

دوسرے دن ہی ہمارے درمیان بول چال قلعی بند رہی، لیکن وہ ڈھیٹ فیض الحسن اب بھی موجود تھا۔ اُس پر اس مار پینٹ کا بالکل اثر نہیں ہوا تھا۔ اب تھا مجھ سے نظر نہیں لاتا تھا۔ بی بی ٹھا جہر کی خدمت گزاریوں میں لگا رہا۔ میں ہر چوڑا تھا کہ اس خوبیت سے کسی نہ کسی طرح پیچا چھوڑانا ہی چاہیے۔

دنوں بعد یعنیوں نے میرے سا میںے ہی بیٹھ کر ناشستہ کیا تھا۔ مجھے پوچھا تکت نہیں۔ میں آنکھیں بند کئے چھوٹا تباہ۔ پھر لشتن اعینہ معمول تھیسے کی طرف پلی گئی اور فیض الحسن مزار کے تریب جا بیٹھا۔ جھوک کے مارے بڑا حال تھا میرا۔ لیکن کیا کرتا کہ دن خالی کچھ ناشستہ بھی اپنے سا قدر ہی بیسٹ کر رہے۔۔۔

گئی قسمی۔

۱۶۰

میں نے جھر سے نہ نکل کر فیض الحسن کو آواز دی۔ جہاں میٹھا تھا، وہیں سے بولا۔ "یا حضرت میں اُس وقت سیکھ آپ کے قریب نہیں آؤں گا، جب تک بی بی صاحبہ والپس نہیں آ جاتیں۔"

میں ایک دم بھڑک کر بولا۔ "کیا ہم خود تیرے پاس نہیں پہنچ سکتے؟"

"یا حضرت، آپ مجھ سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتے گے؛ اس لیے جواب دیا اور میں غصے میں اپنی ہمی بلطیاں زیچارہ گیا۔

"ناشستہ کہاں ہے؟" میں نے کچھ دیر بعد غزر اک پوچھا۔

"ناشستہ دان بی بی صاحبہ کے ساتھ ہے، تی دالپس گیا۔"

بھوک کے مارے دم نکل رہا تھا۔ سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کروں جھرے میں کچھ بھی نہیں تھا جس سے پیٹ کی آگ بھجائی جاسکتی۔

"ہمارے لئے کہیں سے بھی کچھ فراہم کرنے پڑے۔" میں نے گزج کر کہا۔

"میں کہاں سے فراہم کروں؟"

"ہمارے تھر کو نہ لکھا۔"

"میں تو کوڑ گڑ ارہا ہوں۔ عاجزی کر رہا ہوں یا حضرت؟!" وہ سہم کر بولا۔

"ناشستہ... فوراً۔ درینے غارت کر دیں گے تھے۔"

میں نے دیکھا کہ وہ جلدی جلدی اپنی گھری کھول رہا ہے۔ گھری تسلی سے ایک پوٹلی نکالی اور وہیں سے بچھے دکھا کر بولا۔ "یہ مخوتڑے سے بھننے پڑنے ہیں، میرے پاس۔"

۱۶۱

"یہی لے آ۔" میں نے بے چینی سے کہا لیکن وہ مردود پوٹل کو فرش پر رکھتا ہوا بولا۔ "یہ رکھی ہوئی ہے۔" اور پھر چھاٹگ لگا کر کھڑا ہوا۔ بچھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

میں نے دلماں سے پوٹلی اٹھائی اور جھرے میں آبیٹھا۔ بڑے نرے کے لگ رہے تھے۔ ختر کارے پہنے لیکن نترن بازو کے خلاف عضو بہ سترہ برقرار رہا تھا۔ ساتھ یہ بھی سوتھ رہا تھا کہ نیفن الحسن خواہ پٹ گیا اور اس کا یہ عالم ہے کہ شکل دیکھ کر ہی چھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

نترن بازو یہی فیض الحسن سے سخت متنفس تھی، لیکن اس داتھے کے بعد سے دونوں میں گاڑھی چھن بڑی ہے بچھے جلانے کے لئے یا واقعی دونوں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی محسوس کرنے لگے تھے۔ کہیں یہ نترن کوئی اور گل نہ کھلاتے، کوئی ایسی عرکت نہ کر سیٹھے کہ میری بے دفعتی ہو جائے۔ کچھ بھی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ آخر فیض الحسن اور اس کے درمیان اس سلسلے میں کیا باتیں ہوئی تھیں۔ کسی طرح معلوم ہونا چاہیئے اور ترکام اس کی دالپسی سے پہلے ہی ہو جاتے تو ہمترہ ہے، درہ پھر موقع نہ ملے تھا۔ لیکن وہ مردود تو میری شکل دیکھتے ہی بھڑک جاتا ہے۔

چھوٹوں کی مقدار زیادہ نہیں ملتیں لیکن ایک پیالہ پانی پینے کے بعد کسی قدر تسلی ہو گئی اور میں اٹھ کر پھر جھرے کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ نیفن الحسن سائبان کے پیچے بیٹھا دکھائی دیا بُری طرح ہائیٹ رہا تھا۔ لیکن دیکھ رہا تھا جھرے کی طرف۔ دفعتہ پھر اٹھا لیکن میں نے اپنے اٹھا کر کہا "لیں کر ہم نے بچھے معاف کر دیا۔"

"لیکن یا حضرت بھجو سے تصور کیا ہوا تھا؟" ابن نے روشن آواز میں پوچھا۔
"ہمیں بجالت جلال دیکھ کر ہم سے دور رہا کر، . . ." "پتیری میں تو چلے جلال و بجال کا۔"
"یہ ختم کریے باتیں اور ہمارے قریب آ۔ . ." اُس کے انداز سے ہچکیا ہٹ طاہر ہو رہی تھی۔ پھر اس طرح میری طرف بڑھنے لگا جیسے پیچے سے کوئی دھیکل رہا ہو۔ میں پیچے ہٹ کر اپنی جگہ پر آئیں۔ وہ دروازے ہنسی میں کھڑا ہو گیا۔

"اندر آ کر بیٹھ جا،" میں نے کہا۔
"بیٹھ تو کیں مطمئن میں معلوم ہوتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی وقت بھی اٹھا جو جگ کھڑا ہو گا۔" تجھے یہ بتانا تھا کہ وہ بھی خطرے میں نہ ہے۔ میں نے بے حد ذمہ بھی میں کہا۔

"گگ ب۔ ب۔ بکون۔" بے حد ذمہ بھی میں کہا۔
"مرود۔ ب۔ ب۔ ب۔" ہو سکتا ہے اب کے شیخ سندو اس پر آجائتے۔
"لگکے کیوں؟" اس نے بیوقوف کی طرح منزہ پیڑا دیا۔
"یہ شیطان تکھر دیکھ رہی تھی تھی۔ ایک کو خپڑا دوسرا کو جھڑا۔"
دیہ تو بست بو، ہو گایا حضرت۔ . . .
"ہمیں خوش رکنے گا تو سب ٹھنڈ بہر جائے گا۔"
"سیری جان آپ پر فربان، میں تو تمہی کوئی ایسی مرکت نہیں کرتا جو آپ کی نارا منگی کا باعث ہو۔ کل جو کچھ بھی نادانتشیگی میں ہوا، بیلی

صاحبہ نے مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔"
"کل تو بتایا ہی ہو کہ اس دلتنے کے بعد، . . ." "جب ہاں بہت کچھ بتایا تھا، . . ." "کیا بتایا تھا، . . ?"

"یہی کہ بجالت جلال۔ داخل اندازی نہ کرنا چاہیے اور یہ بھی کہا تھا کہ جب ایسی حالت طاری ہوتی ہے تو کہی کہی روز تک سہ کھانا کھاتے ہیں اور زیادی پینتے ہیں لیکن حکم ہے کہ جو کچھ کھاؤ پہنچ ہمارے سامنے بیٹھ کر کھاؤ پیو، البتہ ہم سے کھانے پہنچنے کو نہ کتنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بے بسی سے سر ہلاکر کھا اور سوچنے لگا کہ کم بخت مجھے بھوکا مارنے پر مل گئی ہے شاید۔ . . .
فیض الحن عجیب نظروں سے میری طرف دیکھے غارہ تھا۔

"ہاں ہم ایسے ہی ہیں۔" میں نے کہا۔ لیکن اس پاری کیفیت زیادہ دیر لیک طاری نہیں رہی۔ تو نے دیکھا کہ ہم نے تجھ سے بھٹکنے ہوئے چھٹے لے کر کھاتے ہیں۔ . . .

"میری تو کچھ سمجھ دیں نہیں آتا۔"
"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟"
"سمجھ میں آجائے تو بتاں دون کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"
"اچا، تو ایک بات یاد رکھ کر اگر یہاں کے راز کسی پر انشا کئے تو کہ کی موت مرن گائے گا۔" میں اُسے گھوڑتا ہو رہا بولا۔

"راز... کیسے راز...؟" وہ پھر بھڑک گیا۔
"جو کچھ بھی تجھے ہیں ان نظرے، اُسے راز ہی سمجھ دیہاں کی ایک بات

بھی باہر نہ جانے پائے۔ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں، اُس کے باطن تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔

”میں کچھ نہیں سمجھا پیر و مرشد...“

”کل ہم نے تجھے زندہ کیوں چھوڑا۔ بہ حالت خذب تیرا خاتمہ بھی کر سکتے تھے۔“

”بنشک بے شک“ وہ سر پلاکر بصید خلوص لے لے۔

”یہی مشیتِ ایزدی تھی کہ تجھے سے ایک تقدیر اور بھی دامتہ ہے۔“

”کس کی تقدیر؟“

”مرد و کی...“

”ارے نہیں بے“ وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

”ادب لمحظاً رکھو...“ میں نے آنکھیں نکالیں۔

”معافی چاہتا ہوں یا حضرت۔ اُس کا نام مجھ پر جو کیفیت طاری کرتا ہے بیان نہیں سکتا۔“

”آسمانوں پر فیصلہ ہو چکا ہے۔“

”لگ... کس بات کا؟“

”تم دونوں کے ملاپ کا لیکن ہماری زوجہ اُسے پسند نہیں کرتی۔“

”میری پیشی“

”وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے کہ تجھے ہمارے خلاف بھڑا کانا شروع کر دے۔“

”میں نہیں بھڑا کوں گایا حضرت۔“ وہ گھٹکھیا۔

”کبھی کبھی پتھر میں عجی بجھکت لگ جاتی ہے۔“

”آپ میرے لئے دُعا فرمائیے کہ میں آپ کا دامن نہ چھوڑوں۔“

”اُسے ہرگز نہ بتاں اُن نے تجھ سے پہنچ لے کر کھاتے ہیں۔“

”ہرگز نہیں حضور والا۔“ اس نے کہا، لیکن اس کی آنکھوں میں اُبھن کے آثار تھے۔

”اس کی کوئی اہمیت نہیں، صرف تیرا امتحان مقصود ہے۔ اگر پیٹ کا بہکانکلا تو ہر قیرے ہاتھ نہیں آتے گی۔“

”میں اپنا پیٹ ہی پھاڑ دالوں کا۔ اگر میں نے یہ مسوں کیا کہ یہ بات میرنے پیٹ میں نہیں روکھے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ جا در اپنے مُھ کا نے پر بیٹھ۔“

”لیکن یا حضرت، وہ شیخ سعد و الی بات...“

”ہنسی آجائی۔ اگر بینٹ نہ کرتا۔ کم بخت چاہتا تھا کہ مہر دکی بات کچھ دیر اور جاری رہے۔“

”چل... جا۔“ میں نے ہاتھ ہلاکر کہا۔ ”یہ ہمارا اور شیخ سعد کا معاملہ ہے تجھے کیا پڑی ہے۔“

”حضور... وہ مرد...“

”جاتا ہے یا پھر تجھے جلال آ جاتے۔“ میں نے آنکھیں نکالیں اور ٹھنڈی سائس لے کر اٹھ گیا۔

”زیادہ دیر نہیں ہوتی تھی کہ گھوڑوں کی طاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔“ کوئی ادھر ہتھی آ رہا تھا۔ پھر فیض الحسن کچھ بندھا اس سا اندر داخل ہوا۔

”دو سوار آ رہے ہیں یا حضرت...“ اس نے کہا۔

”آرہے ہوں گے۔ جا بیٹھ اپنی جگہ پر۔“ میں نے ہاتھ ہلاکر کہا اور

وہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اگر بولا۔ وہ باریابی پاہتے ہیں یا حضرت۔

”آنے والے میں تو باہر ہی عذر“ وہ چلا گیا۔ نہ جانے کیوں اتنا ہے جو اس نظر اور تھمار شویں تو مجھے ہی

ہوئی تھی کہ دونوں سوار کون ہیں۔ فیضے والے پیدل ہی خانقاہ تک آتے

تھے۔ جلد ہی تشویش رفع ہو گئی۔ آنے والے ہی دونوں قراط تھے۔

جنہوں نے کچھ دن تپھر پر جڑھائی کی تھی۔ میں نے انہوں کی جبیش سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور وہ متوب

ہو کر دواز اونٹھ گئے۔

”کیوں آتے ہو؟“ میں نے اپنی آواز میں جلال پیدا کرنے کی

کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

”قدم پوسی کو حاضر ہوئے ہیں پیر و مرشد“ ایک بولا۔

”پیر و مرشد تکو۔ تم نے ہماری اغا عات سے مُش موڑا اور دوبارہ

رہترنی شمارکی۔“

”ہم تو کوئی کر رہے ہیں اور ماں کا حکم سجالاتے ہیں۔“

”تطلب تلی خان کی بھی تو کوئی ہی کر رہے تھے۔“

”وہ تو کوئی نہیں تھی یا حضرت وہ ہیں مال غمینت میں سے حصہ

دیا کرتا تھا۔“

”ایک ہی بات ہے۔ اب تم ایک قراط کے نوکر ہوئے۔“

”ہم ہنوان گڑھی کے راجہ دلیپ سنگھ کے نوکر ہیں یا حضرت۔“

”ہم علم ہے کہ وہ دلیپ سنگھ قراط ہے۔ کیا یہ قراطی نہیں کسی

کی زمین ذہباتی ہے اور کسی کے باغ پر قبضہ کر لیتا ہے اگر کوئی دربار تک
شکایت پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو حادثاتی بیوت کا شکار ہو جاتا ہے۔

”پھر ہم کیا کرتے یا حضرت تطلب قلی خان کو جو بوزارت آپ سے غایت
کی تھی وہ اُس سے اور باہر تک بالے گئی۔“ ہمین کیا دیا آپ تھے۔

”تم دونوں کے نکاح میں بھی دو گورنیں آئی ہیں۔“

”بالکل ض阜وں ثابت ہوئی ہیں۔“

”لیکن کیوں کیا ہوا؟“

”تم کام کاٹ کیں اور ان طالع یادوں کی ماں کی ایک“

”اس نے تم نے ایک ڈائیکی تو کوئی کوئی اور بھوں لے گئے کہ تو پر
کرچکے ہوئے۔“

”اگر آپ کی نظر کرم ہو جائے تو سب طیک ہو سکتا ہے۔“ اس نے

میرتی طرف بھٹک کر آہستہ سے کہا۔

”ایک بھم سے کیا پانچ ہے؟“ میں نے اسے گھوڑ کر پوچھا۔

”مالکیں مکان آپ نے بھال کی تھوڑا کاشخ سید و آنا تھا۔“

”لاش مال ان لوپھر کیا ہے؟“

”اگر آپ کو شش فرمائیں تو برا جو دلپ سنگھ بشرت ہے اسلام بھی

ہو سکتا ہے۔“

”شیخ سدراست راجہ کے بشرت ہے اسلام ہوئے کا کیا تعلق؟“

”یہ ایک بہت بڑا راز ہے پیر و مرشد پھلی ریاست راجہ نے صرف ہم

”مظہر و علی نہیں نے باہم اٹھا کر کہا تھا میں راہدار بنانے کی ضرورت نہیں۔“
ضروری نہیں کہ جو تم دونوں چاہتے ہو۔ میں اس پر تیار ہی ہو جاؤں گا۔“
”اُمِ طریقی آئش لے کر حاضر ہوتے تھے یا پیر و مرشد“ امانت
”اگر یہیں اس راز میں شرکیں کرنا چاہتے ہو تو کان کھول کر سن لو کہ بعد
کی درخواست اگر قابل قبول ہوئی تھی ہمارے پاس آنا بارہ آور ہو سکے گا
درست نہیں۔“

”آپ سُن لیجئے۔ معاملہ شیخ سد و والے معاملے سے مختلف نہیں ہے۔
ہماری غرفت رہ جائے گی اور آپ کامر تیغہ غیر مسلموں کی نظر و میں بلند ہو گا۔
کیا عجب ہے کہ کچھ لوگ دین حق بھی قبول کر لیں۔ آخر ہیماں اسلام آپ ہی
جمیسی برگزیدہ سنتوں ہی کی وجہ سے تو پھیل رہا ہے۔
اس کی یہ بات سن کر میں نے سکوت کیا اور دل ہی دل میں اپنے آپ
پر غفت کر چکا۔ کیا میں ایسا ہی ہوں۔ یہ کم سخت کن اعلیٰ و ارفع سنتوں
سے مجھ شیطان کا بوڑھا رہا ہے اور پھر مجھے اُن دونوں پر غصہ آجائے لگا۔ ہی
قرآن تو اتنے جن سے خان بچانے کے لئے ہلہ پھر بولا تھا اور
ان بد عقیدہ لوگوں نے مجھے بالس پر چڑھا دیا تھا۔ خداوند اب میں اس مجال
سے کیسے نکلوں۔ کس منزہ سے ایک عالم کو آکاہ کروں کہ میں بالکل خالی
ہوں۔ سب دھوپنگ ہے۔ پھر اگر کبھی ہمت کر کے افشا رحقیقت پر
آزاد بھی ہو ا تو ان کے ہاتھوں میرا کیا حشر ہو گا، جو اب تک میرے قدموں
پر سر جھکات تھا ہے میں۔ مجبوری۔ خداوند میں کیا کروں۔ میں تے
خراٹھا کار اُن کی طرف دیکھا۔ وہ ملجنیاں نظر و میں سے مجھے دیکھے ہوئے تھے۔
میں نے کہا۔ ”بیان کرو۔“

ایک تراق طویل سالس لے کر بولتا۔ ”ہنومان گڑھی والوں کے خاندان
میں ایک راج مکٹ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بشری رام
، چند ری نے اُسے باخو لگا کر دعا دی تھی کہ جس گھرانے میں یہ راج مکٹ
جار ہا ہے، وہ تیارست شکت باقی رہے گا۔“
”بکھاراں۔۔۔“ میں بڑا بڑا۔ ”تیارست شکت کوئی گھر ابا برقرار نہیں
رہ سکتا۔“

”مطلوب یہ کرنل قائم رہے گی۔“

”چلو آگے چلو۔“ میں نے بیزاری سے کہا۔
”پس ہمارا یہ کہ جب بھی ہنومان گڑھی کا کوئی نیاز ارج گدھی پر بیٹھا ہے تو
یہ راج مکٹ فرادیر کو اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔ پچھلے سال اچانک
وہ راج مکٹ غائب ہو گیا، جو پھر اور وہ سال سے اس خاندان میں چلا
اک رہا تھا اور جس کے بغیر نہ تھے راجہ کی گدھی نہیں باضابطہ نہیں تسلیم کی
جا سکتی۔۔۔“

”مظہر جا۔۔۔“ میں نے باخو اٹھا کر کہا۔ ”میرے پاس کیوں آیا
ہے، خانہ اس کے کسی عالی کوتلائش کیا ہوتا۔“
”بڑی دنوں ایمان میں پیر و مرشد را بھی تیری بات ختم ہیں ہوئی۔“
میں نے سر کی جنیش سے بیان جاری رکھتے کا اشارہ کیا۔
”لگو۔“ راج دا بہر کے چاہیزوں سٹکوں کی تحریک میں ٹھنا۔ وہی اس کا حافظ
تھا۔ راج غائب ہوتے ہی اُس کا داماغ الٹ گیا۔ سادھوؤں اور جو گیوں
کا کہنا ہے کہ اس پر بھی روں کا سایہ ہو گیا ہے۔
”ہوں۔ تو انہوں نے کچھ نہیں کیا اُس کے لئے۔“

”نبیں پروردگر شد...“

”تاج پہلے غائب ہوا تھا یا پہلے بھر دن کا بنایہ ہوا تھا اس پر ۵“ نہیں
نے پڑھا۔

”سایہ ہو جانے کے بعد ہری راجر بی کو تاج کی تحریر ہوئی تھی۔ تجھی معلوم
ہوا کہ وہ غائب ہو گیا ہے۔ راجر کے چھا اپنے ہوش ری میں نہیں ہیں۔“

”تاج کے غائب ہو جانے سے کسی کو کیا لفظ ان پنج کا ۹“

”راجر ولیپ کا بیٹا جاگیر سے خودم ہو جائے گا اور جاگر دھرم شال کے
اور مندر دن میں چلی جائے گی۔“

”تاج کے غائب ہو جانے سے راجر کے چھا کو بھی کچھ فائدہ پہنچ
بکھ کا نہیں ۹“

”نامدہ ہی نامدہ یا حضرت کونکر دھرم شالوں اور میت دل دن کا
 منتظم وہی ہے۔“

”لیکن یہ بھروس کیا چیز ہے؟“

”خدا ہی جانے۔ یا دیتا ہو گایا کوئی راہشیش دیتے یہ
دیکھنے میں آیا ہے کہ بھروس کا نام سنتے ہی جوگی اور سادھو کا لوں کو ہاتھ
لکاتے ہیں۔ یعنی بھی اس نے ذریب جانے کی حراثت نہیں کرتا۔“

”راجر کا کیا عیال اے؟“

”وہ تو اے ڈھونگی ہی سمجھتا ہے، لیکن چھا کو ہاتھ بھی نہیں لگا
سکتا۔“

”چھرتم ہم سے کیا چاہتے ہو؟“

”جب آپ شیخ سد و تاریخ کے ہیں تو بھروس سے یہی پڑے لیں گے۔“

”یقین سد و سے ہم نے فارسی میں پشا تھا۔ ہندی سے تعلیٰ نایبلد ہیں ۹“
”تو آپ ہمیں مایوس نہ فرمائیں۔ اگر بات ہملا ہے تھی تو سلطنت بن
گئی تو ہماری اہمیت بھی بڑھے گی اور ہم ایک ایک شادی اور کریم کے
”جزاک اللہ“ میں سے خوش ہو کر کہاں کہاں دیستھنیں ۹“

”تو پھر آپ کرم فرمائیں گے؟“

”شاید۔ لیکن حسن اس نے کہ ہم جیسوں سے بھی جان پھان
پیدا کرنا پاہتے ہیں۔“

”عجیب آپ فرمائیں ہم خافر ہو جائیں ۹“

”تمہاری حاضری سے کیا ہو گا اُسے لے آؤ۔“

”راججزی کے چھا کو ہیاں لے آنا امر عالی ہو گا۔“

”بھروس کی بات بنتے گی۔ ہم تو ہیاں سے ان بھی نہیں سکتے۔“

”لیکن وہ پڑھنے کی حراثت نہیں کر سکتے۔“ اس اللہ طریقی غاہجزی سے کہا یعنی
”لے لابا۔“ پھر وہ جملہ پورا کے بغیر خاموش ہو گیا۔

”حضرت شاہ لاوالی کا حکم نہیں ہے کہ ہم ہیاں ہے ہیں جی
لیکن یا حضرت کل تو آپ ربیعی میں تشریف نہ ہوئے تھے۔“

”یہ شک ہم گئے تھے، لیکن یقین سد و سے کے لئے نہیں بلکہ قبیلے والوں
کو تمہاری دشبرد سے بچانا مقصود تھا۔“

”تو آپ کو پھر سے علم ہو گیا تھا لہم لوگ اتفاقیہ تیر پڑھا کی کریں
گے۔“

”بھی حکم دیا تھا کہ میں کیا کرنا ہے اس لئے میں بھیں کے کریں غیر معنوی
ہو۔“

تعلیٰ و حکمت اپنی کے حکم سے ہوئی تھی۔

”میں حضرت شاہ لولائی کا باتے بتا دیجئے تاکہ تم ان کی خدمت میں خاصی
دشکر سفارش حاصل کریں۔“

”ان کی خدمت میں خاصیزی کے شکر تھے مرتبہ شادت پر نامزہ ہوتا
پڑے گا۔“

”میں نہیں سمجھایا حضرت۔“

”وہ دنیا سے پرداہ کر کے میں۔“

”میں اپنے الفاظ والپن لیتا ہوں پیر و مرشد۔“ وہ بکھار کر بولا۔
ادھر میں سوتھ راما تھا کہ تیون نہ مونٹھے نے فائدہ اٹھاو۔ یہاں سے
تو اچاہت فراز نامکن تھا لیکن منوان گڑھی سے کسی حاصل نہ کل جانا طری
سبات نہ ہوگ۔ خلاصہ نہ تن بانو لو سوتھ جاتے گی نہیں لیکن کیا وہ مجھے
جاںے دیتے گی۔ ہر خذیر کی احوال تعلقات خراب ہو گئے تھے لیکن اس کا
کیا طھیک ہو رہا ہے۔ خود جو دن جلتے اور اس سفر میں روڈاں کا بے
کی کوشش کرے کچھ دیر مزدھ عزوف فخر کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔
”ہم اپنے مرشد شاہ لولائی سے ان کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کروں۔“

”تو چھرم کب حاضر ہو جائیں؟“

”کل اسی وقت اور سواری کے لئے پاکی یار تھے آنا۔“

”الیاہی ہو گا پیر و مرشد۔“

وہ خوش خوش والپن چلے گئے۔ شاند اس دوران میں فیض الحسن کے پیٹ
میں چور ہے کو درہ سے تھے۔ ان کے حضت ہوتے ہی دوڑا آیا لیکن مجھ

اپنے کچھ پوچھنے کی ہستہ نہیں پڑیں ہی تھی۔ مٹھے لٹکاتے کھڑا رہا۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔

”تم۔ میں نے۔ ان لوگوں کو پہلے کھی نہیں دیکھا۔“

”تو نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے؟“

”دنیٰ صورت سے خفناک لگ رہے ہے۔“

”جسم کے فرشتے تھے۔“ میں نے جھلک کر کہا۔ ”جا بیٹھا پہنچا تو
پڑے۔“

”جیسا منہ بناتے ہوتے دیس چلا گا۔“ میں بانتا تھا کہ وہ اس کا ذکر
نہ تن بانو سے مزدرا کرے گا۔ شاید اس طرح وہ خود جو دیکھی ہو جاتے۔ سیرا
انمازہ غلط نہیں تھا۔ باہر کے پاہر تھی فیض الحسن نے اُسے بڑا دیا۔ وہ اندر آئی اور
دوسرا فاصلے پر کھڑی ہو کر مجھے گھوڑنے لگی۔ میں نے بیزاری طلاق کرنے کے لئے

دوسری طرف من پھیر لیا۔

”مکن لوگ آتے تھے؟“ اس نے بے حد سرو لمحہ میں پوچھا اور میں آنکھیں
بند کر کے بھومنے لگا۔ وہ خاموش کھڑی شاید مجھے گھوڑے جا رہی تھی۔
مکھی دیر بعد دانت پیس کر بولی۔ ”میں بھی ہوں۔“ دوپنی دلوں ہرام خوا
قراق ہوں گے۔“

”تو کہاں کی حلال خور ہے کہ انہیں عرام خور کہہ رہی تھی؟“ میں نے
ڈپٹ کر کیا اور آنکھیں کھوں دیں۔

”کیوں آتے تھے وہ؟“

”اپنے کام سے کام رکھ۔!“

”یہ کیا قسم کا ہستہ نہیں لوں سکے؟“ وہ تمکر دردراز سے کی دیکھتی ہوئی

پے دوست ہوتے میں کوئی علامت نہیں تھا تو پرستہ نہیں یعنی خاتمت النبی زبان
 کے کیا لکھا داد کے کوئی سچے نوع اُس کی گردان کھٹک جائے۔

”تم فراز راسی بات پر برنا لیکھتے ہوئے اسکے ہمراہ وہ کسی قدر خوش ماں لیجے
 میں بوی۔ تم نبیلہ کے ساتھ میں اپنے اپنے مارکیز کے ساتھ میں اپنے اپنے مارکیز کے
 ”یہ فراز راسی بات تھی کہ تم نے بھر پر ماڑھ چھوڑ دیا۔ ایش نے انہیں
 نکالیں اور اولاد مٹکر در دارے کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اسی پر بنی نہیں کی۔
 در دارے میں بھی گئی اور اپنی طرح الیمان کر لیا کہ نصیحت اخون قریب تر ہیں نہیں۔
 اس کے بعد میرے قریب اکتووی ”تم نے بھی تو بدلتے کیا خاص پرس
 طرح نہر پھلا کر بھٹکنے کیا افریدرت ہے؟“

”سوال تو یہ ہے تو نے ایسی مرکش کی ہی کیون جی اے،“ اس نے اپنے
 ”تمہیں اتنا بڑا لگا۔“ اس نے اپنے اپنے پرستہ کی سوچ میں اپنے
 ”کیوں؟ فرائیوں ز لگتا؟“

پیار سے بھٹک دیکھی ترہی پھر اول ”پونکتم ہست ریا وہ غصے میں تھے
 اس نے اسی میں نے مناسبت نہیں بھاگا تھا کہ رات کا کھانا بھاؤ بخدا بالکل
 چور پیٹ ہو جاتا ہے اگر بھاالت غصہ کھا جائے تو اس کا بھاؤ بخدا
 لامسہ اور ناشستہ۔“ میں نے بھاؤ کھائے واسطے الجھی میں کیا۔

”اگر ناشستہ کو پوچھتی تو تمہیں پھر خفتہ آجائے۔“

”اُب دماغ کیوں کھا رہی ہو؟“

”لانچتم فضیلے والوں کے شانے اپنا اور تیرا وقار برقرار رکھو یہ گے۔“

”میں تو جید مخصوص بن کر اُس کھانی میں جلدہ افروز ہوں گا۔“

”آخر بتاتے کیوں تھیں کیا کوئے؟“

بولی۔ اُب سے بھی دھڑکا لگا تھا کہ کہیں کوئی ایسی ولیتی بات فیضِ الحسن کے
 کان میں نہ پڑ جاتے۔

”تمہیں میں اپنے نہیں بول سکتا۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے فراز بھے
 والوں کا مجھ ہو کے دے پھر کھادن گا مجھے آپنے کمالات۔

”کوئی بے وقوفی کی حرکت نہ کریں۔“ یہ بیک کافی قدر تیہی ہوتی ہوئی
 مظہر آئی اور میں نے مزید اکٹھا ماننا سب سمجھا۔

”سر سے کفن باندھ لیا ہے اب تو“ میں نے کہا۔

”بیکار و گے قبیلے والوں کے مجھے بے باہمیہ تھا اسی کا مطلب تھا۔“

لکھ۔ ”پھر اول کھول دوں گا۔“ اسی کا مطلب تھا اسی کا مطلب تھا۔

”خدا ہے میرزا اپنا۔“ وہ مظہر امیر محسنی نے تا تھ بولی۔

”صرف تیرا بھٹکے تو ابھی ہوش کر کر لائے ہے تو نے دلختنا پرے مخصوص اخفا
 اشنا ہی اپ بھی ہوں۔“

”ایسا ہے بات پرانی نہیں پڑی میان چیز۔“

”تین نہیں جاتا تو کوئی سب سے بخوبی۔“

”لکھ۔“

”تیری سمجھ کا بھیرے۔ اس سے زیادہ حقدندی کی بات امن نہیں پڑے
 لکھ کچھی نہیں ہوگی۔“

”بات معلوم ہی تو ہو۔“

”بس ایک چھوٹی سی کہانی سننا پڑے گی۔ قبیلے والوں کو پھر وہ سب
 مل کر تھے زندہ دن کر دیں گے۔“

”ذینہ خر بکام کر گیا یعنی وہ ہاتھ اعده ستر ہو گئی۔ اُس کی دلختی میں یہ رے

زین سنبھل کوت اجتیا کیا۔ آنکھیں بند کیں اور پھر جھومنا شروع کر دیا۔
”اچھا... اچھا...“ وہ تھس کرکے بولی۔ ”میں بات نہیں بڑھانا چاہیں
ورنہ اس وقت مجھی خصیہ آگیا تو کھانا نہیں کھا سکو گے۔“

اُس کی اس بات پر اس زور کا غصہ آیا کہ بیان سے باہر ہے، لیکن اخبار
ذکر کر کیا ہر فون کی شی ہری عورت ہے۔ فیضان میں پیشہ مانے گے۔
دیپر کے کمانے میں اُس نے فیض الحسن کو شرک نہیں کیا۔ اس کا کھلا دیں
سماں کے نئے پہنچائی جوڑے میں دستخواں بجا کر کھانا رکھ دیا۔ اور مجھے
سترہ کرنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن میں بیٹھا جھوٹپتارہ۔
”بیں ختم بھی کرو... آجاو...“ وہ محنت کر کر بولی۔ میں نے اپنی
کھول دیں اور اس سے اس طرح دیکھنے لگا جیسے پہل بار اُس کی آواز سنی ہو۔
”آؤ۔ آجاو...“ دلماچہ ہاکر بولی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کبھی سختے سے
بچے کو بلارہی ہو۔

جوہک بہت زور سے گک رہی تھی۔ اس نے فرید انجنا بیکار سمجھ کر
کھانے پر لڑٹ پڑا اور وہ بڑی سمجھنے کی سے بولی۔ ”محے اس پر طعنی افسوس
نہیں کریں نے تمہیں مارا تھا۔“ میں نامارہ روک کر اپنے گھوڑے لگا۔
”کھاتے رہو۔“ دھر ملاکر بولی۔ ”آنکھیں نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اگر
میں تمہیں زمارتی تو تم بھی مجھے آتی بلے دردی سے نہ پریٹ سکتے۔“

”اچھا تو پھر...“
”پھر کر کیا۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ مجھے تم سے باقاعدہ طور پر نکاح
کرہی لینا چاہیے۔“

”میں کھانا جھوٹ کر اٹھ کھرا ہوا خدا کی پناہ کیا چیز ہے یہ عورت؟“ حیرت
سے یہ ری آنکھیں بھی جا سرہی ہیں، اس نے نکاح کرنا چاہیے کے کیں نہیں
اسے پیٹ کر رکھ دیا تھا۔ جتنے لئے حلن سے اُتار چکا تھا، وہ سب نکل آنے پر
نرم رہ لگا نہ گے۔

”لترن بالو ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور میرا بھی پیٹ کر دیا۔“ بھادنے کی
کوشش کرتی ہوئی بڑے پیار سے بولی۔ ”جیسے بھٹک کر کھاؤ۔ بھوٹ کی طرح
مچھل کو دست چاہو۔“
مچھل کے حجم سے لٹھتا ہے اس پسند پھوٹ رہا تھا۔ میں نے کی ہر زوجہ اُدمی کے سے
انداز میں اُس کے اس مشور سے پھمل کیا۔ سمجھ بڑھ کر پیٹ کا دوزخ بھرنے
لگا۔ اب اُس سے آئھیں ملائے کی ہست نہیں پڑ رہی تھی۔ کھانے کے افتاب
پر پھر بڑے پیار سے بولی۔ ”ایت بھٹک کر جھوٹمناست شرذمی کر دینا۔ جھوٹی دیر
آنداز بھی کر لیا کہ ذیج بھی تمہیں جھوٹ نہیں کی غادت پڑی ہے۔“

”لئن... ن... ن... لترن بالو۔“ میں ہنگلکار رہ گیا۔

”کیا بات ہے...؟!“
”کوئی ترشی شادی وادی کی بات...؟!
”کیوں کیا ہوا؟ یہ تو بہت پسلے ہر جانا چاہیے تھا۔ اب عقول آگئی
جسے...“

”میں اس پر تیار نہیں ہوں۔“
”اے... اے... وادی... تیار سے تیار ہونے نہ ہونے سے کیا فتن پڑتا ہے۔
یہ میری خواہش اور میری تحویز ہے۔“

لے کر بولا۔ ”یہ کھنڑت نے باٹوں پر ہو رکتا ہے تو پس کہہ برہی ہو، لیکن وہ عورت تو
نہیں ہو سکتی ہے۔“ ہرگز نہیں۔“

”بیری تو ہم نہ کرو۔“ وہ غرائی۔
چھپر مجھے یاد آگیا کہ ایک بار خود میں نے بحالت غزوہ کی اس سے کہا تھا۔
کچھ سے شادی کر لے کر دونوں کا اس طرح تہارہ منا خلافِ شریعت ہے
لیکن اس نے بڑی حقارت سے بیری اس بخوبی کا مشکل کر اڑا دیا تھا۔ میں نے
اُسے یہ بات یاد دلائی۔

”ہوں۔ مجھے یاد ہے۔“ وہ لارڈ ایسے بولی۔
”تو چھر اب بھیں کون سے مرغاب کے پر لگ کے ہوتے ہیں؟“
”کوئی بھی نہیں۔ حقنے اُ تو پہلے ہے اُتنے ہی اب بھی ہو۔“
لارڈ ”اُذ وَ قُوَّاتِهِ شَادِيٍ كَرْبَے گی؟“ میں نے پھاٹ کھانے والے بجھا
میں پوچھا۔

”یہ ہوتا ہے۔“ وہ بڑی ممتاز سے بولی۔ ”شادی سے ہے، لارڈ
اوہ ہوتا ہے۔ عورت ہی اسے ادی بناتی ہے۔“
”جید غصتناک حق بیری ہنسی۔ خود میرے کام بھینٹا اٹھے، لیکن زبان
سے کھڑنے تک سکا اور چھر میں نیض الحسن کو آواز فیسے لگا تھا۔
ایسے یہ... یہ... یہ... کیا کہ رہے ہو۔“ وہ آنکھیں نکال کر بولی
چھا۔ اُسے بتاؤں گا کہ وہ بھی اُلوی ہے۔“ میں نے قہاروں کے ہیں کہا۔
”حاضر ہوں۔ یا حضرت!“ میں نے نیض اکون کی آواز آئی
یہ چھٹے گھوڑی تھی ابھی اور دروازہ گھوول دیا۔
وہ اندر آیا اور اس طرح لاٹھ باندھے اور سر جھکا کئے کڑا رہا جیسے

ست۔ یہ بیجی میری مرضی کو دخل ہی نہیں ہے اس میں میں نے پیرت سے کہا۔
ابھی ہمک اپنی حالت پر قابو نہیں پاس کا تھا۔ یعنی دامان پچھرا تھے ہم کے
گھر سے تھے۔

”بالکل نہیں۔ باداً آدم کو ما جو اکی مرضی کا پاندھہ ہوتا پڑا تھا۔ یہی مرضی
بدات ہے۔ باداً آدم تو بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اکیں ہم خدا نہیں
کے خلاف کوئی فعل سرزدہ ہو جائے۔“

”اماکو شیطان نے بھکایا تھا۔“ میں نے تھوک سکل کر کہا۔
”بڑا و راست باداً آدم کو تر نہیں تیر کا سکا تھا۔ تم اس سے الگا رہیں
کر سکتے کہ خدا کے بعد ما جو اکے اگے سر جھکا دیتا باداً آدم کی سرنشیت
تمی خلائق کی بیچوں میں بھکایا تھا۔“

”کیا بکا اس کو رہی ہے؟“ مجھے ھوڑا ٹھوڑا غصہ آئے لگا تھا۔
”جالت کی باتیں مت کر دا، اگر دا آدم کی نظر نہ ہوئی تو ما جو اُن
کے بھی خدا کی نافرمانی کر کر اسکتیں۔“

”تیری باتیں مجھے پاگل بنادیں گی۔“
”واتھی بالکل جاہل ہو۔ اتنی ذرا سی بات تہماری بھیں نہیں اُنیں ہو۔
کے اُن پر غصہ اپنے اور زمین پر عورت۔ اُن کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اُسے خدا نے ڈرنا اور عورت کے اشارے پر چلنے چاہیے۔“ تم نے اپنے
باپ کا دو دھپی کردانت نہیں لکھا تھا لہو ایک عورت ہی تھی جس نے
جس تینیں زندہ رکھا۔ وہ اپنا کام ختم کر چکی۔ اب دوسرا عورت کا کام شروع
ہو گا۔ یہی نظرت ہے اور یہی خدا کی حکمت ہے۔“
میں پیرت سے آنکھیں چھڑا رہے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ دفعہ بھر بھری

کسی بہت بڑے دربار میں عاضری دے رہا ہو۔ اُنہوں نے اپنے ساتھی کو سچے سچے کہا۔
پھر تبلیغ اس کے کم اس سے کچھ کہتا۔ لشمن بول اٹھی۔ ”تمہیں
کھلنے کو کچھ اور تونہ چاہئے؟“
”بیس بی بی صاحب ششم سیر ہو کر کھلایا ہے میں نہیں۔“
”اچھا وہ خوان بڑھا دو۔“
پھر وہ برق سیشنے لگا تھا اور میں شوچ رہا تھا کہ آخر میں سنے اُسے
کیوں آزاد دی تھی۔
برق ایک طرف رکھ کر وہ چلا گیا اور لشمن باندھ میری طرف دیکھے
بغیر بولی یہ تم اس سالے پر بخندگی سے خور کر دی۔
”مجھے کیا ضرورت ہے؟“
”تمہاری یا تمہارے جواب کی کیا اہمیت ہے جو کچھ میں کیوں گی تمہیں کرنا
پڑے گا؟“

”کیوں شامت آئی ہے تیری؟“ میں اپنے گھونسہ دکھا کر دوں۔
”مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“
”اچھا کیسے کرے گی شادی؟“ میں نے زرخ ہو کر پرچھا۔
”ہم دونوں مل کر اس پر عز کریں گے۔“
”تو ہمی کرنی رہ غور۔“
”تم بھی کر دے۔ میں تمیں اس پر جبور کر دوں گی۔“ کہتی ہوئی وہ اپنے
جھرے میں پلی گئی اور میں ہوتے ہوئے کہا۔ ہم کا تو تکہ پر ڈھن گیا۔ علم
نہیں اب وہ کیا کرنے والی تھی۔ ہماباں اس نکل گئی اور شادی کا سوال ہی پیدا
ہمیں ہوتا تھا کیونکہ لوگ ہمیں رن و شوہر کی خیانت سے جانتے تھے۔

محب جیسے بہرگزیدہ آدمی کے بارے میں بڑی بھی نہ کہتے کہ ان طرح یہی
زندگی کو درہی ہرگی۔
سوچا تھا کچھ در سور ہوں گا کہ کچھی رات نیند پوری نہیں ہو سکی تھی، لیکن
اس نے قہینے نے ایک پل کو بھی آنکھ نہ لگنے دی۔
عمر کے وقت وہ جھرے نے ملکی اور دشوار نے بیٹھ گئی میں اُسے قرار دو
نظر وہیں سے دیکھا تھا۔ دفعہ وہ یہ بڑی طرف پڑھ کر لی ”کیا نماز نہیں پڑھو
گے؟“
”پڑھوں گا۔ تجھے اس سے کیا؟“
”تم اعزات نے اکھڑے اکھڑے کیوں ہو؟“
”میں تجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔“
”آہتے ہو۔“
”میں پاگل ہو جاؤں گا، دوڑ تو مجھے لیفیں دلاؤ کر یہ بھرپور محنت مانا
مجھی۔“
”میری توہین نہ کرو۔“ درستہ ایٹھن شاہ سے کچھ تباہ نہ دوں گی۔
”اچھی بات ہے۔ میں بھی دیکھوں گا۔“
بعد صدر قبصے والوں کی امد شروع ہو گئی تھی۔ اس بھج کچھ زیادہ ہی تھا
لوگ غالقاہ کے باہر بھی بیٹھے ہوتے تھے، مٹھا بھی موجود تھا۔ اور میں حست
و سور آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا جھووم رہا تھا۔ اچانک آنکھیں کھول کر ان
کی طرف دیکھا جوا بولا۔ ”تم ووگ نہ کرنا۔“
”وہ سب بیترت سے میری طرف دیکھنے لگا اور سمجھا۔“ اس طرف کر دوں۔
”میں نہیں سمجھا پیر در مرشد۔“

”ہم پر وہ کرنے والے ہیں۔“ میں نے سکرا کر کایا۔ ”آج ہی“
اُن کے منزق ہو گئے۔ ایسا سکوت چھاگیا جیسے اُن میں سے کوئی بھی
زندہ نہ ہو۔ ”آج ہی“
”یہ آپ کیا فرمائے ہیں پیر و مرشد؟“ سکھیا نے گلوگیر اواز میں کہا۔
”ہم کچھ ایسا ہی محروس ہوتا ہے، یا مرحوم گے یا تمازی ہی نہ کوئی سے
اوچل ہو جائیں گے۔ ہماری عدم موجودگی میں ہمارا نبی زوجہ کا یہاں رکھنا۔“
”دھاریں مار کر رونے لگے اور میں یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتا کہ
لترن بالا پانے جوڑے میں بھی داشت پیش رہی ہوگی۔ اپنی بیٹیاں لڑکے
رہی ہوگی۔“

جب گرید وزاری کا زدر کچھ کم ہوا تو میں نے اپنی آواز میں کہا۔ ”ہماری
پوری بات سنو۔“
”لذودہ دم بخود ہو کر سیری شکل تکھے گے۔ میں نے کہا۔“ جب تکہ ہماری
زوجہ کا جوڑہ صحیح و سالم رہے۔ سچھنا کہم بقدیم چیات ہیں، لیکن جب کسی ثابت
زوجہ کے جوڑے کی پچت گزڑتے اور وہ اُن میں دبت کر قویاً سے دھارے
تیکھ لینا کہم بھی اپسے غلط حقیقی سے جاگئے ہیں۔“
”لذودہ پھر تیخ پیخ کر دے لے گا اور لترن بالا تر پکڑا اپنے جوڑے سے
نکل آئے۔“
”خاوش ہو جاؤ با۔“ خاموش ہو جاؤ۔““ وہ زور سے بوی تھے
ایک بار پھر سٹاٹا چھاگیا اور اڑا کتے گئی۔“ میاں صاحب اُن وفات
یہاں نہیں ہیں۔ تم انہیں جمانی طور پر نہیں دیکھ رہے ہو، لیکن حقیقتاً یہ اس
وقت اصفہان میں ہیں۔“

کتنی کچھ بولا اور وہ کہتی رہی ”معلم نہیں کس کے بارے میں کیا کہہ رہے
ہیں اور تم اُنہاں سر پر اٹھاتے ہوئے ہو۔ ایسی کیفیت خالی ہوتی ہے
تیر کے آپ میں ہیں رہتے۔ پچھلے سال جب تم وہی میں تھے تو انہوں نے ایسی
کیفیت کے لحاظ پر بھی اپنی زد بر شدید کرنے لے اُن کارکر دیا تھا۔ ایک
ایک کا ہاتھ پکڑ کر کتے تھے کہ یہ ایک بارے آسانی ہے جو تم پر نازل ہو گئی
ہے۔ ساری زد بر ہرگز نہیں ہے۔ تم لوگ اس سے ہمارا یہ چاچھڑا اور دیا
اس سے ہمارا نکاح کر ادا۔ پھر جب تک دوبارہ نکاح نہیں پڑھا گیا تھا
میر ہوش میں نہیں آتے تھے۔ معلوم لوگ اب جاؤ۔ اگر کل تک اُن پر یہی
کیفیت ٹاری ہے تو تاضی کو لے کر آنا اور ایک بارہ میر سماعہ ہمارا نکاح
پڑھوا دینا۔ یہ اصفہان سے واپس آجائیں گے۔“

ہاتھے عصب۔ ہاتھے عصب۔ میں دل میں اپنا
مالسل پیش کر۔ چوت دنے کی اس کیا موگا وہ سب ایک ایک کر کے
اٹھتے گئے تھے اور میری زبان گنگ ہو گئی ہی۔ یہ ھٹھے کیا حالت تردد
ہو گئی۔ کیسی نامت نے گھرا ٹھاں وفت۔ اب کیا ہر کا اور گردانی یہ
کل ٹھاٹی کوٹنے آئے تو کیا ہو گا، ابو الحسن یہ کیا ہو گیا۔ اُنے بدجھت اس
نے تو تدبیر بھی کر لی اور خود تو ہی اس کا باعثت بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے
جموناں ہو گیا۔ انہیں لترن کی بات پر یقین آگیا تھا۔
صرف نیض الحین پیش کر کیجیئی میری شکل دیکھتا تھا اور کھنی لترن
کیا تو کیا نہ دوڑھانہ اتنی سمجھدہ نظر آرہی تھی جیسے میں تیخ پیخ پاگا ہو گیا
ہوں۔“

”مت۔“ تر پھر سے نکاٹ بی صاحب۔““ نیض الحسن

ہمیں یہی بیان صاحب باور ہنس کر بولی۔ اب میں احمقوں کی طرح اُسے تختہ رہنے کے علاوہ اور کہی کیا سکتا تھا۔ ”تم نے دیکھا۔ میں ذکریتی تھی کہم دونوں ہیں اُل کروتی تدبیر کر لیں گے۔ سو ہو گئی تدبیر کل یہ زکار ہو کر رہے گا“ ”میں تین جان سے نارادوں کا“ ”زکار کے بعد تمہارا جدھر جو چاہے چلے جانا اور میں جوڑے کی چھت گرنے کا استوار کر قریب ہوں گی۔“ ”نہیں، اُس سے پہلے ہی میں تجھے مارڈوں گا“ ”یہ بھی کر کے دیکھ لو“ وہ لاپرواٹی سے بولی۔ ”بھی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اُسے جان سے مار دینے والی بات خشن دھمکی تھی۔ محمد میں اتنا دم خم کہاں کسی کو بیان سے نارکوں۔ وہ جان جلانے والے انداز میں کھڑی سکراتی رہی اور میں دل پی دل میں اپنی بویاں نوچتا رہا۔ ”زکار کے بعد پیش ریتی تھی کہم ہو گی۔“ نترن بوقتی یہیں اُن سے کہوں گی کہ اصل اور نقل میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیے۔ قیسے سے عورتوں کو بلدا کر اپنے لامبوں میں مہندی بھی لگاؤں گی۔“ ”خدا کے لئے خاصوش رہ۔“ یہ نے پہلے بیسی سے کہا۔ ”اوہ ہو۔ کیا اب صفاہان میں بھی تم میری باتیں سن رہے ہیں؟“ ”خدا نے چالاک تو آج ہی تیرتے چڑے کی چھت کر جائے گی۔“ ”تبیرہ خور توں کی طرح کوئے تو نہ دو“ وہ ہمس کر بولی۔

بمراہی ہو جی آداز میں لو لا۔ ”شاید اس نے مفہوم بچے میں کہا اور پر شریش نظر میں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے جھلکا کر آنکھیں بند کر لیں اور جھومنا شروع کر دیا۔ سمجھنے ہی نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا بلوں سوتھ رہا تھا کہ بے دوقنی پر بزرگوار سے درستے گیا تھا مجھے؟ میں نے خواہ مخواہ جو بکرا اس شروع کردی تھی اُس کا کیا تيجھ نکلتا؟ اپنگیا اپنے دری عقا کہ میں انہیں پہلے سے آگاہ کر دیتا کہ میں اچانکہ غائب ہو جاؤں گا۔ ”لیکن لب پر صاف جیسے یہ بڑی عجیب بات لپیسے“ ”نیشن الحسن کھنکار کر لے ل۔“ لیکن لب پر صاف جیسے یہ بڑی عجیب بات لپیسے“ ”شاہ ابو الحسن کے سرتے پے تو راقیت نہیں یہ سے تو نہیں ماننا کر اس میں کیا راز ہے“ ”کیا راز ہے؟“ ”کیوں بچا اس کر رہا ہے۔ خدا کی صید تھی پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔“ ”بھی سوت اچھا میں سعائی جانہا ہوں“ ”بھی کہا تاذ جا بیٹھا اپنے ٹھکانے پر پڑے۔ وہ کڑا کر لیا۔ اس کے ساتھ میں نے انکھیں لھوں دیں۔ اس سوتھ پیش الحسن کو رکن کے رکھا چاہتا۔ ”خدا یعنی قلب اُن کے کچھ لہتا، وہ خانقاہ نے بازرا چکا تھا۔ نترن بالوزیری طرف دیکھ کر سکراتی اور میں پھاڑ کھانے والے انداز میں اسے گھوڑا رکھا۔“ ”لیکن اس کے ساتھ پھر پھر کھانے والے انداز میں اسے گھوڑا

دیکھ لیتا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اُنھوں اور کم از کم اُسی نامہ بار کی گردن مردڑ
دوں۔ اُسے ہدایات دے کر خدمت کر دیا اور میری طرف مٹا کر بولی۔ ”تم
خواہ مخواہ بھجے اب بھاکرتے ہو۔ ابھی بھک ترا آیا ہوا نہیں کہ تم اسے لئے
جو بچھوں لے جاؤ ہو۔ پرانہ ہوا ہو۔“
”بچھتا کے گی۔“ میں دانت پیس کر دیا۔

”بچھاتی تو ہتھی ہی ہوں۔ میرے لئے کوئی سی بات نہ ہو گی
تھی۔“ انتار و السقرا کر کر میں نے آنکھیں بند کر دیں۔
”وہاں بھی تم میرے ساتھ ہی رہو گے۔“ اُس نے کہا اور اپنے ہمراہ
میں علی گئی۔

میں نے خانقاہ کے دروازے کی طرف نظر اٹھائی۔ نیشن الحن ناما
بامبر دروازے ہی پر ہبودھا دراہی دیدیں اس کی تسلیق بھی ہو گئی کیونکہ
اسے کھانی آئی تھی۔ دروازے کے قریب ہی کی تھی۔
”خدادوندا اب کیا کروں؟ شاید میری سات پتوں میں زیادہ تر احمد
ہی گزرے ہے اور پدر نرگوار کا کیا پڑھنا۔ کچھ تو تھے ہی سادہ لوح۔
اوپر سے مادر محترم کے جلال و بر ذات کا سامنہ۔ آئی گئی عقل بیطرتی
بھی۔ کہا کچھ چاہتے تھے زبان سے بخوبھلا خاب۔ دوسروں سے ناٹا کر
پشادی سے پہنچے ایسے نہیں تھے۔ رکھ رکھاڑ دالے بھی تھے اور شاغری
سے بھی شغف رکھتے تھے، لیکن جب میں نے انہیں دیکھا ہے تو بخوبی تو اسی
کے علاوہ ان میں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔
”مرہا ہو گا کچھ بیان تو انترن بازو وہ پیش نہیں۔“ اب کیا ہو گا؟ ذار
کی رہا ہی غود میں۔“ دوڑ کری۔ در حقاً کہ اہم تھے نے بھی

”دیکھ بچھ کہتا ہوں تجھے زندہ نہ بچو۔“ ٹزوں گا۔ اگر تو نے نکاح کا پکڑ
چلایا۔
”وہ تو پل چکا ہے۔ سیاں سا سب؛“ کل نکاح ہو کر رہے گا اور تم اس
خیال کو بھی دل سے لحال دو کہ آج رات کو یہاں سے نکلیں۔“ یا گوگے۔ یعنی
زندگی میں یہ نامکن ہے۔“
میں سناتے میں آگیا۔ کیسی حادثت سرزد ہونی ہے۔ غم ہی اپنے گرد
دیواریں کھوڑی کر دیں۔ آخر اس بیوی اس کی سزدھت ہی کیا تھی؟ نکلا تھا تو
چپ پا پس نکل جاتا۔ اب یہ رات بھر چاک کنگرانی کر رہے گی ہے۔
ابوالحسن تو کیسا احتمل ہے؟“

وقتاً وہ دروازے کی طرف طڑھی اور نیس المعن کو آوازیں دیتے ہے لکی
وہ بھاگا ہوا آیا اور نترن بازاں سے کہنے لگی۔ ”وبحکوم آج کی رات تم پر
چماری ہے۔“ تم جا کتے رہیں گے، مد نہ میاں فعاست بسانی طور پر بنی اسریخان
چلے جائیں گے۔

”اچھا!“ نیشن الحن نے حیرت سے کہا۔
”اگر یہ جسمانی طور پر بین اصلہاں پیش گئے تو منہذہستان جنم رہتا
دگا۔“

”میں جا گتا رہوں گا بی بن صاحب!“ وہ بکھلا کر رولا۔
”میرا سر عکرا گیا۔“ دل چاہ رہا تھا کہ اپنی زبان کاٹ کر پھیک دوں
کم بخوبی بھی۔ کسکے سمجھ دلوں کو دیکھتا رہا۔ کہتا ہمی تو کیا؟ ابوصرہ نیشن الحن
کو سمجھا رہی تھی۔ کس کی طرح رات میز مگر انی کی جائے۔ وہ سعادتمندانہ
انداز میں سر پلاہلا کر نشترتا۔ کبھی کبھی خفرزدہ نظروں سے پیری طرف بھی

دو

چار

کو

بلوے

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

۔

لیکن ان کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن خدا کا شکر لانے کے لیے ایسا نہیں ہوا۔ رات کا کامان لانے والے کو نہیں نے اپنی کوئی ہدایت نہیں دی تھی اور میں جو تھا کہ شاید نکل جائے تو رہتے۔ اسی کا موقع میں کوئی نہیں کھل جائے گئے رہتے۔

رات کے کھانے کے بعد نیشن باونس نیشن اجنبی کو خانقاہ کے اندر ہی روک لیا اور اُس سے بولی۔ بس اُس پر میں صہرو، میاں صاحب میں دیکھ بھال اکے لئے۔

پھر دنوں میسرے سامنے ہی بچھے کے اور میں ان بر تقدیر ہر بیٹھنا تھی۔ سڑیاں تھاکر خود بھی بیٹھوں گا اور ان دنوں کو اسی طرح بھائے رکھوں گا۔ تسلیم تقدیر یاد رکھے اور وہ حکم اسٹو جائیں۔ پھر خیال آیا۔ میں ابو الحسن اگر تو بیٹھا رہا تو یہ بھی منسل جائے تو جسے کوئی کو شش کر رہے رہیں ہے، اسرا اس طرف اور گھوڑا دی دیر بجدیدی طاہر کر جائے بالکل غافل، ہو گیا ہو۔ جب تھی ان کی توبہ پر فرا

یا میں تو پھر میں اللہ کا نام کے کر لیٹ گیا اور قبوری دیر بحد ایسا ہیں گیا جس سے یہ کبکب خفت طاری فریکنی ہوتی۔

وہ دنوں میٹھے اور اور کی امانت رہے تھے لیکن یہ محکم نہ رہا۔ ملتا کہ بار بار نیشن اس سے مجھے طریقہ کو بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن نیشن اُس کی بات کاٹ کر کوئی اور تصور لے بھیتی ہے۔

لکھنی سا بیتیں اسی طرح گز گز لیں اور میں آنکھیں بند کئے اڑا خالدار رہا۔ الجمیں بھی آنکھوں میں درہ کر کے ان کی طرف جو دیکھ لیتا، وہ خاموش تو کئے

لیکن ان کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن خدا کا شکر لانے والے کو نہیں نے ایسا نہیں کھل جائے گئے۔ اور پھر کبکب بھی ہفتے سے پہلے اگلی برا بار پڑھا کیا تو ان کو کر کے حکم پیچھے کیا، لیکن نہیں۔ اور پھر کبکب بھی ہفتے سے کہوں دوڑ ہوئی تھی۔ اسی نے اس کے پیچے چکیاں یہی سکر نہیں لیے ہوئی تھی۔ اس کی طرح بھر پڑھاڑی ہوئی تھی۔ اسی اور میں یہی پڑھتے۔ ملکہ غافل ہرگیا کاپ دینیا کی کوئی طاقت بھے اس شادی سے نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن اسکے پیچے آنکھ کھکھے ہی نہیں سے پہلے ہی خالی آپا ٹھاکر اُس اپنے نارا آوازیں کافلوں میں آرہی تھیں۔ وہ صبح ہرگز بھی تھیں۔ نیشن نے بھے آوازیں نہیں دی تھیں۔ صبح کی نماز کے لئے مدیں مجھے جھکا یا کرن تھی۔ کبھی خود سے جا گئے کی ترقی مجھے نہیں ہوتی تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ زیادا کاری کی اس زندگی میں خدا کے حصہ جاتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی اور میں کبھی دل سے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ نیشن ہی جانماز کا بھی وہیکل سے جاتی تھی کہ یہ ضروری ہے۔ اس پیشے میں خود تو تھی اسی نماز کی پابند۔

بڑھاں میں آنکھیں بند کئے چارا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دھی ابھی تک سو ہی رہی ہے۔ شاید فیض اجنبی نہیں جاگا۔ تو پھر کیوں نہ اسی وقت اٹھ کر نکل کر دا ہوں۔ ہر سلسلہ ہے تقدیر یاد رکھی کر کے اور تسبیح کے کسی شخص بیٹھا۔

”لیکن۔۔۔ میں۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ میری خانقاہ تو نہیں تھی۔

خداوند ای کیا اسرار ہیں؟ کیا یہیں بسی محبر گزیدہ ہو گیا ہوں۔
لیکن رو رحمانی دنیا میں تو وہ اندر نہیں ملتی۔ پھر میں کہاں ہوں؟ کیا نیند ہی
کے عالم میں دنیا تے فانی سے کوچ کر چکا ہوں اور کسی بھوتی بسری نیکی کے
عیوض بھے جنت کا یہ گوشہ عطا کر دیا گیا ہے۔

اللہ! کچھ تذپیرہ پلے کہ آخر مجھ پر کیا گزرے۔
ایک بار پھر میرزا سر زردہ سے چکرا یا اور میں گھری شارکیسوں میں
ڈوپتا چلا گیا۔ اتنا ہرگز راتی، تاریکی ہی نداریکی۔ کھاٹوپ اندر میرزا۔

وہی دھرم شد